# وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ

یعقوب علی

آج سے تقریباً" چودہ سو سال قبل اللہ تعالٰی نے اپنے پسندیدہ دین، دین اسلام کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اس ابدی نعمت کا اتمام فرمادیا تھا۔ اس دین کی اساس اور سرچشمہ ہدایت، قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود ہی لے لی اور اس کی تفسیر و تشریح کو احادیث صحیحہ کی شکل میں مرتب کرا کے محفوظ فرمادیا۔ اس طرح صراط مستقیم پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنے کی تڑپ رکھنے والوں کے لیے دین و ایمان کی حفاظت کا جامع و ٹھوس اہتمام فرمادیا، اور ساتھ ہی پیش بندی کے طور پر ان کو ہوشیار بھی کردیا تھا:

○ **یاایھا الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار.....عن سبیل اللہ...** (التوبہ ۳۴)

"اے ایمان والو ان مولویوں اور پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتی ہے اور انہیں اللہ کی راہ سے بھی روکتی ہے"

○ **ولا تکونوا من المشرکین.....فرحون○......** (الروم ۳۲)

"اور ان مشرکوں کی روش اختیار نہ کرو جنہوں نے دین میں تفرقہ پردازی کی، گروہ بندی کا شکار ہوگئے اور ہر گروہ اسی پر مگن ہے جو اس کے پاس ہے"

لیکن شیطان کا وار پہلے انہی پر کارگر ہوا اور پچھلی امتوں کے احبار و رہبان کی طرح یہ شیطان لعین کے آلہ کار بن گئے، اپنی دنیا بنانے کے لیے اللہ کے بندوں کو گروہوں میں تقسیم کرنے میں لگ گئے، قرآن و صحیح احادیث پر کتمان کے دبیز غلاف چڑھا کر لوگوں کو سرچشمہ ہدایت سے دور کردیا۔ پھر موضوع، منکر و ضعیف روایات اور اپنے بزرگوں کے اقوال کی بنیاد پر ایجاد کردہ نظریات پر ایمان و عقیدہ کو استوار کیا گیا اور قرآن و حدیث کی معنوی تحریف اور من مانی تاویل کے ذریعہ باطل پرستی کی عمارت کو تقویت پہنچانے کی سعی و جہد کو مقصد حیات بنالیا گیا!۔

۲۔ **عذاب قبر حق ہے:** جس طرح پچھلی امتوں میں مردوں کو زندہ تصور کرکے مورتیوں اور قبروں کی شکل میں انبیاء و صلحاء کی پوجا پاٹ کا دین ایجاد کرکے دین حق پر مسلط کیا گیا تھا، آج ہمارے سامنے بھی وہی صورت حال ہے۔ یعنی قبر پرستی کے دین کا اللہ کے سچے دین پر غلبہ ہے۔ عقیدہ "عود روح" کے ذریعے مردے زندہ مان لیے گئے ہیں، اللہ کے بندوں کو اللہ تعالٰی کے صفاتی نام دے کر ان کی قبروں کو شیطانی مشن کے مراکز بنادیا گیا ہے جہاں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو صنم کدوں میں ہوتا رہا ہے۔ تو یہ ہے ماحصل اعادہ روح کے عقیدہ کا، البتہ اب ایک یہ ہوشیاری بھی کی گئی ہے کہ اس باطل نظریہ "عود روح" کو صحیح اور سچے عقیدہ "عذاب قبر" کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے۔ دراصل

یہ تلبیس حق و باطل کی فریب کارانہ کوشش ہے۔ بلاشبہ "عذاب قبر" حق ہے اور جو اس کو نہ مانے وہ قرآن و حدیث کا منکر یقیناً" کافر ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عذاب قبر ہوتا کہاں ہے، عالم برزخ میں یا اسی زمینی گڑھے میں جسے معروفاً" قبر کہا جاتا ہے۔ عذاب قبر کا عالم برزخ میں ہونا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کی وضاحت آئندہ سطور میں ہوگی لیکن اس دنیاوی گڑھے میں سوال و جواب اور پھر عذاب و راحت کا دارومدار تو عقیدہ[1] "حیات فی القبر" یعنی اس مردہ لاشے میں دوبارہ روح لوٹائے جانے کے عقیدہ پر ہے، جو فی الحقیقت ان قبر پرستوں کو مقصود و مطلوب ہے کیونکہ اس کے بغیر تو قبر پرستی کی عمارت کے منہدم ہونے کا شدید خطرہ ہے!۔ اسی لیے قرآن و حدیث کے واضح و محکم دلائل کے باوجود عالم برزخ میں سوال و جواب اور عذاب و راحت کے موقف کو تسلیم کرلینے کی بجائے تمام سعی و جہد اس کو رد کرنے پر مرکوز ہے اور پورا زور اس باطل موقف کے دفاع میں صرف کیا جارہا ہے کہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا معاملہ اسی دنیاوی قبر میں ہوتا ہے تاکہ قیامت سے پہلے مردہ جسموں میں اعادہ روح کے ساتھ حیات فی القبر کے لیے راہ ہموار ہوسکے اور اس طرح ذوق قبر پرستی کی تسکین ہو۔ لیکن یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ یہ بت پرستی ہی کی ایک شکل ہے کیونکہ بہرحال پوجا تو ان ہستیوں کو جاتا ہے جن کو مورتیوں یا قبروں میں زندہ تصور کرلیا گیا ہے!۔ اب جب ان کو قرآن و صحیح احادیث کے دلائل سے سمجھایا جاتا ہے کہ آپ ان کو بپتائیں سنا رہے ہیں اور ان سے التجاؤں پر التجائیں کئے جارہے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ کچھ کرسکتے ہیں، وہ تو مردہ ہیں زندہ نہیں۔ اور ان قبروں میں جن سے تمہاری امیدیں وابستہ ہیں اور جن کے خوف سے تم لرز رہے ہو ان میں تو گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں جو جلد ہی مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائیں گی یا ہوچکی ہوں گی، تو جواب ملتا ہے کہ آپ کا موقف غلط ہے، مردہ میں روح لوٹ آتی ہے اور وہ سنتا ہے اور زائرین کو پہچانتا ہے، وہ تو نرومادہ کی تمیز بھی کرلیتا ہے، (معاذ اللہ)!۔ مقام عبرت ہے، اکابر پرستی اور اندھی تقلید نے انسان کو کیسا بھٹکایا ہے، زندہ اور مردہ برابر ہی نہیں بلکہ مردہ زندہ سے زیادہ قوی اور بااختیار ہوگیا! (معاذ اللہ!) حق و باطل کا معیار صرف اور صرف بزرگوں کے اقوال ہیں اور پھر ان کی تائید کے لیے موضوع و منکر اور ضعیف روایات!۔ بہرحال، جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ قرآن کے مطابق تو مردے مردے ہی ہیں زندہ نہیں، وہ قیامت کے دن ہی زندہ کئے جائیں گے، اس سے پہلے ان کے زندہ ہونے کا نظریہ صریحاً" خلاف قرآن ہے اور ایسے نظریئے کو اپنانا تو قرآن کا کفر ہے، تو فتویٰ داغ دیا جاتا ہے کہ "یہ عذاب قبر کے منکر ہیں!"۔ سطور بالا میں وضاحت کردی گئی ہے کہ قبر میں عذاب یا راحت کا نظریہ برحق ہے اور اس کا انکاری مسلم نہیں ہوسکتا جب تک کہ توبہ نہ کرے۔ لیکن یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے نہ کہ اس دنیاوی گڑھے کا، یہ معاملہ مرنے کے فوراً" بعد برزخ میں شروع ہوجاتا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا اور یہ ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے خواہ اس کا لاشہ جلا دیا جائے، وہ جنگلی جانور یا مچھلیوں کی غذا بن جائے یا کسی میڈیکل کالج کی تجربہ گاہ کی زینت بن جائے تاکہ طلباء مشاہدہ و مطالعہ کرتے رہیں، یا مردہ خانے میں برف کی سلوں میں مہینوں دبا پڑا رہے، یا اس کے اعضاء (آنکھیں وغیرہ) کسی زندہ شخص کے جسم میں لگا دیے جائیں یا لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے قبر سے نکال لیا جائے۔ بہرحال یہ اسباب و عوامل جن کا تعلق تو دنیاوی لاشے سے ہی ہے قبر (یعنی عالم برزخ) میں عذاب و راحت میں رکاوٹ ہرگز نہیں بن سکتے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ یہ معاملہ نہ تو ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہماری صوابدید پر موقوف کہ جب چاہیں مردے کو قبر سے نکال کر عذاب و راحت کو روک دیں اور جب چاہیں لاشے کو قبر میں ڈال کر عذاب میں مبتلا کردیں!۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ یہ فرقہ پرست قرآن و حدیث کے ٹھوس اور ناقابل رد دلائل کے باوجود اس موقف کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے کہ سوال و جواب اور

---

[1] اب یہ اور بات ہے کہ بعض دہرا معیار رکھنے والے حیات فی القبر کا انکار بھی کرتے ہیں لیکن سوال و جواب کے لیے روح کا مردہ لاشے سے تعلق بھی ثابت کرتے ہیں۔

عذاب و راحت کا معاملہ عالم برزخ میں ہوتا ہے اس دنیا میں نہیں بلکہ الٹا ہمارے خلاف معاندانہ پروپیگنڈا شروع کردیتے ہیں کہ یہ لوگ عذاب قبر کو نہیں مانتے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عذاب قبر کو ہم نہیں مانتے یا یہ فرقہ پرست!۔ یہ اسی دنیاوی گڑھے میں سوال و جواب اور عذاب و راحت پر زور دیتے ہیں' کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ قبر کتنے مردوں کو ملتی ہے۔ مردوں کی ایک کثیر تعداد کو تو جلا دیا جاتا ہے' جنگلی جانور کھا جاتے ہیں' سمندر میں جانوروں کی غذا بن جاتے ہیں' قوم نوحؑ کے لیے فرمایا "**مما خطیئتھم اغرقوا**....(ان کی خطاؤں کی پاداش میں ان کو غرق کردیا گیا اور آگ میں ڈال دیا گیا۔ (نوح-۲۵)۔ ان کو یہ دنیاوی گڑھے والی قبریں تو نہ ملیں' بلکہ بعض کی قبریں جنگلی جانوروں کے پیٹ ہیں تو بعض کی قبریں سمندری جانوروں کے شکم۔ تو پھر ان کے عقیدے کے مطابق ان کے لیے عذاب قبر تو "عذاب جنگل"' "عذاب سمندر"' "عذاب شمشان گھاٹ" ہو کر رہ گیا!۔ ان قبر پرستی کا ذوق رکھنے والوں کو شاید یہ سب منظور ہوگا لیکن قرآن و حدیث پر مبنی "عذاب برزخ" منظور نہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے "بڑوں" کے وقار پر آنچ آجائے اور قبر پرستی کی بنیاد ہی کالعدم ہوجائے۔ تو یہ ہے حقیقت ان ذہن پرستوں کے عقیدہ عذاب قبر کی!۔ اسی بات کی تقریباً" دو عشرے قبل ڈاکٹر عثمانیؒ نے کچھ اس طرح نشاندہی فرمائی تھی:

"امت کی بدنصیبی کہ آج عذاب قبر کے مسئلے کو فروعی مسئلہ قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ دنیاوی قبر میں عذاب قبر کا اثبات "حیات فی القبر" کے ہم معنی ہے اور قبر پرستی کے شرک کی اصل بنیاد ہے" (عذاب [illegible] ص۳۶)

۳۔ **نظریہ حیات فی القبر باطل ہے:** الغرض' اب یہ اس قوم کی شومئی قسمت ہے کہ آج اس کی اکثریت نے اپنے اکابرین کی اندھی پیروی کرتے ہوئے قبر پرستی کی شکل میں جو دین اپنایا ہوا ہے اس کی بنیاد ہی اس باطل عقیدہ پر ہے کہ مرنے والا دفن ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی (اس دنیاوی قبر میں) زندہ ہوجاتا ہے' اس میں روح واپس آجاتی ہے۔ دراصل ان کو اپنے اکابرین' علماء و فقہا اور آئمہ پر ایسا اعتماد ہے کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ گویا فرمان الٰہی ہے۔ قرآن کی محکم آیات پر ان کے اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ قرآن تو بانگ دہل اعلان فرماتا ہے:

۱۔ **ثم انکم بعد ذالک لمیتون ○ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ○**......(المومن۱۵'۱۶)

"پھر اس کے بعد تم کو ضرور موت آئے گی' پھر قیامت کے روز تم اٹھائے جاؤ گے"

یعنی یہ موت کی حالت گھنٹے دو گھنٹے یا دو چار دن کے لیے نہ ہوگی بلکہ تا قیامت ہوگی اور تم روز قیامت ہی زندہ کرکے اٹھائے جاؤ گے' اس سے پہلے نہیں۔ سورۃ الزمر میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے' فرمایا:

۲۔ **فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی** ط......(الزمر۴۲)

"پھر جس ([redacted]) پر موت کا فیصلہ نافذ فرماتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسری ارواح کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے"

اس آیات نے بغیر ابہام کے اس بات کو ثابت کردیا کہ مرنے والے کی روح قیامت تک کے لیے (عالم برزخ میں) روک لی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم میں یحییٰ علیہ السلام کی تکریم فرماتے ہوئے بھی اسی کلیے کا اظہار فرمادیا' ملاحظہ ہو:

۳۔ **وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا ○**.......(مریم۱۵)

"اور ان پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوئے' جس دن وفات پائیں اور جس دن زندہ کرکے اٹھائے جائیں"

یہاں صاف ظاہر ہے کہ وہ مردہ حالت سے زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے' زندہ کو زندہ کرکے اٹھانا تو بے معنی ہے۔ غور فرمائیے کہ حکیم و قدیر رب نے قیامت کے دن زندہ کرکے اٹھانے کے لیے "خلق جدید" کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے:

۴۔ **بل ھم فی لبس من خلق جدید ○**.......(ق۱۵)

(مگر (قیامت کے روز) ایک نئی تخلیق کی طرف سے یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں)

غور فرمایئے! جس طرح وہ "خلق جدید" کے بارے میں شک میں تھے' اسی طرح آج یہ فرقہ پرست شک و شبہ کا شکار ہیں۔ جو لوگ قیامت کے دن اٹھائے جانے کو نہیں مانتے ان کو اس دن جتایا جائے گا:

۵۔ **فهذا يوم البعث ولكنكم كنتم لا تعلمون** ○......... (الروم ۵۶)

"بعثت کا دن تو یہ ہے لیکن تم لوگ جانتے نہ تھے۔"

اس آیت نے پر زور انداز میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ بعث بعد الموت (موت کے بعد اس لاشے کو زندہ کر کے اٹھائے جانے) کا ایک دن مقرر ہے اور وہ روز روز قیامت ہو گا۔ درج بالا آیات کے علاوہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں اور دو زندگیوں کا صراحت کے ساتھ کتنی ہی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

۶۔ **كيف تكفرون بالله و كنتم امواتا فاحيا كم..... ترجعون** ○...... (البقرہ ۲۸)

"تم کیسے اللہ کا کفر کرتے ہو' حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہی تمہیں موت دے گا اور پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا پھر (اس کے بعد) تم اس کی بارگاہ میں پیش کئے جاؤ گے۔"

اس آیت نے دو موتوں اور دو زندگیوں کا اثبات کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دنیاوی جسم میں روح لوٹا کر تیسری زندگی کا تصور صریحاً" خلاف قرآن ہے۔ چنانچہ ایسا موقف اختیار کرنا قرآن کا کفر ہو گا۔ جو لوگ آج اس بات کو تسلیم نہیں کرتے وہ قیامت کے دن شدید احساس ندامت کے ساتھ خود اقرار کریں گے کہ:

۷۔ **قالوا ربنا امتنا اثنتين واحييتنا اثنتين فاعترفنا بذنوبنا فهل الى خروج من سبيل** ○....... (المومن ۱۱)

"وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب' تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو ہی مرتبہ زندگی دی' پس (اب) ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلنے کا اب کوئی راستہ ہے؟"

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات سے درج بالا موقف کی تائید ہوتی ہے' مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۃ الحج (۶۶)' سورۃ الروم (۴۰)۔ ان آیات میں دو زندگیوں اور درمیان میں ایک موت کا تذکرہ ہے۔ الغرض ان آیات مقدسہ سے مسئلہ موت و حیات مطلقاً" واضح و ثابت ہو جاتا ہے۔ دو موتوں کا جہاں ذکر ہے ان میں سے ایک عالم عدم ہے (حیات دنیا سے قبل کا دورانیہ) اور دوسری موت دنیاوی زندگی میں روح کی جسم عنصری سے علیحدگی ہے (یعنی دنیوی موت)۔ دو زندگیوں سے مراد ایک تو یہی دنیاوی زندگی ہے (اس جسم میں روح کا آنا) اور دوسری زندگی قیامت کے روز اس دنیاوی جسم کو زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے جس کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے۔

○ .... "**ثم انكم يوم القيامة تبعثون**۔" (پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے) (المومنون ۱۶)

اور بخاری کی روایت سے اس کی تشریح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ "عجب الذنب" پر جسم کو بنا کر اس میں جان ڈالے گا۔ غور فرمایئے' اس مسئلہ کو قرآن و حدیث نے اس صراحت سے بیان کیا ہے کہ اس میں کسی بھی قسم کے ابہام کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی' اور قبر پرستی یا مردہ پرستی کے بنیادی عقیدہ "عود روح" یا "حیات فی القبر" کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی ہے۔ مزید بر آں' قبروں اور مورتیوں کی شکل میں نبیوں اور ولیوں کو زندہ تصور کر کے استعانت اور استمداد کرنے والوں کو شدت کے ساتھ جھنجھوڑتے ہوئے ان کے "حیاتی عقیدے" پر کیسی بھرپور چوٹ لگائی ہے' ملاحظہ ہو:

۸۔ **والذين يدعون من دون الله...... اموات غير احياء......** (النحل ۲۰-۲۱)

"اور اللہ کے علاوہ وہ دوسری ہستیاں جنھیں لوگ (مدد کے لیے) پکارتے ہیں کسی شے کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق

ہیں (موت کے بعد) وہ مردہ ہیں اور ان میں جان کی رمق تک باقی نہیں' اور انہیں تو (اپنے بارے میں) یہ شعور بھی نہیں کہ وہ کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھائے جائیں گے"

اب توچوں وچرا کا موقعہ باقی نہ رہا' قرآن نے دوٹوک فیصلہ فرمادیا کہ مردے "مردہ" ہی ہیں زندہ نہیں! خواہ وہ نبیؑ ہوں یا ولی' ابراہیمؑ ہوں یالات وعزیٰ وغیرہ اور ساتھ ہی یہ بھی جتادیا کہ یہ مردے قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اس سے پہلے نہیں' اور اس گھڑی کا ان کو کوئی شعور نہیں۔ جب قبر پرستی کے ان شائقین کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی چھ ہزار سے زائد آیات میں سے کوئی ایک آیت ہی اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کریں کہ قیامت سے پہلے مردوں کے جسم میں ارواح آجاتی ہیں' معجزات کی بات اور ہے (جو عام قانون سے بالا تر ہوتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لیے کسی دور میں مردوں کو زندہ کیا ہو' یا عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا اور وہ باذن اللہ معجزے کے طور پر مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے۔ ان مستثنیات سے بحث نہیں' استدلال تو اصول اور قواعد و قوانین سے ہی ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن میں جگہ جگہ صراحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ تو اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ آپ حدیث کو نہیں مانتے!۔ کیسا عجیب انداز ہے ان "قبر پرست" روائتی دینداروں کا کہ دلیل کے سامنے زچ ہوکر بھی ہٹ دھرمی پر اتر آتے ہیں اور الٹا ہم پر ہی الزام لگاتے ہیں۔ اکابر پرستی اور مسلکی تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انھیں صاف نظر آجائے کہ صحیح معنوں میں ہم ہی حدیث کو مانتے ہیں کیونکہ نصوص قرآن پر مبنی یہ موقف صحیح معنوں میں حدیث کا اثبات کرتا ہے نہ کہ انکار! اور اس کی تائید محکم آیات قرآنی آیات اور صحیحین کی واضح و صریح احادیث سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی درج بالا آیات کی واضح تشریح فرمائی ہے' ملاحظہ فرمائیں:۔

ترجمہ: (جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تم لوگ فوج در فوج آؤ گے)

.....ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صور کی دو پھونکوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ چالیس دن کا وقفہ؟ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ نہیں کہہ سکتا۔ پھر کہنے والے نے کہا چالیس مہینوں کا وقفہ۔ کہا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پوچھنے والے نے پھر کہا کہ کیا چالیس سال کا وقفہ۔ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس بات کو (رسول اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے) کہ اس وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا اور لوگ اس طرح اگ پڑیں گے جیسے سبزہ اگتا ہے۔ انسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو برباد نہ ہوجائے سوائے ایک ہڈی عجب الذنب کے اور اسی سے جسم انسانی کو پھر بنایا جائے گا۔ (ص ۷۳۵' بخاری' مطبوعہ دہلی)

۴۔ احادیث سے قرآن کی تائید ہوتی ہے نہ کہ تردید!: اس روایت نے کتاب اللہ کی آیات کی تشریح فرمادی کہ انسان کے جسم کا ہر حصہ گل سڑ کے ختم ہوجاتا ہے صرف "عجب الذنب" باقی رہ جاتی ہے' قیامت کے روز اسی پر جسم انسانی پھر سے بنا دیا جائے گا۔ غور فرمایئے' قرآن نے دنیاوی زندگی کے بعد قیامت کے روز زندہ ہونے کا جو کلیہ بیان کیا ہے' اس روایت نے اسکی وضاحت کردی اور اس طرح قرآن و صحیح حدیث سے عقیدہ حیات فی القبر کی تردید ہوگئی۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی منصب ہے کہ وہ آیات قرآنی کی تشریح و توضیح کرے' نہ کہ تردید۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

○ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون ○......... (النحل ۴۴)

"اور ہم نے یہ قرآن تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو وضاحت کرو ان احکامات کی جو ان کی طرف نازل ہوئے ہیں اور تاکہ وہ غور کریں"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتاب اللہ تو اس انقلابی پیغام کا ماخذ و سرچشمہ ہے۔ جس نے ڈیڑھ ہزار سال قبل کفر و شرک سے آلودہ اس پس ماندہ قوم کے قلب و ذہن کی تطہیر فرمائی اور سیرت و کردار کی اصلاح فرما کے اس کو عزو شرف کی بلندیوں تک پہنچایا زبان نبوت نے اس بات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

○ **ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ اخرین.....** (صحیح مسلم)

"اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلندی و رفعت عطا فرماتا ہے اور دوسروں کو (جو کتاب اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں) ذلت و پستی میں گرا دیتا ہے (جس طرح یہ نام نہاد امت مسلمہ زبوں حالی کا شکار ہے)"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ وہ اس انقلابی پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں' اس کے ذریعے مردہ پرست قوم کے مشرکانہ نظریات اور رسم و رواج کے مطلق جاہلانہ نظام پر کاری ضرب لگائیں' ایمان کی کھل کر دعوت دیں اور اس مقدس مشن کو سرانجام دینے میں کسی قسم کی مداہنت نہ کریں۔ اس راہ کی مزاحمتوں اور مخالفتوں کا عزم و صبر کے ساتھ جم کر مقابلہ کریں' قرآن کے ذریعے "جہاد کبیر" کا فریضہ انجام دیں۔ قرآن کے الفاظ ہیں۔

○ **فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جھادا کبیرا** ○...... (الفرقان ۵۲)

"تم ان کافروں کا کہنا نہ مانو اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان سے سخت جہاد کرو"

اب اس مقدس مشن کے حاملین کی رہنمائی کے لیے یہ ذریں اصول "**فلا تطع الکفرین....**" قیامت تک انتہائی اہمیت کا حامل ہے' یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس دعوت کے مشن کو سرانجام دینے والے کفر و شرک سے آلودہ نظریات کے حامل لوگوں سے قطعاً" مرعوب و متاثر نہ ہوں بلکہ اللہ کے سچے دین' اسلام کو قرآن و صحیح احادیث کی روشنی میں نافذ العمل کرنے کی جدوجہد میں سرگرم عمل رہیں۔ یہ منکرین قرآن کیسی ہی کوشش کیوں نہ کریں کہ داعی حق کو انحطاط پذیر قوم کے افکار و اقوال اور منکر و موضوع روایات میں الجھا دیں لیکن داعی حق اسی ٹھوس اور ناقابل تردید بنیاد یعنی قرآن و حدیث پر جم کر حق کو واضح کرتے رہیں اور ان اکابر پرستوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد دلائیں کہ "**القران حجة لک او علیک**"...... (مسلم)

"یعنی قرآن یا تو تمہارے لیے دلیل ہے یا پھر تمہارے خلاف حجت۔"

افسوس ہے تمہارے اوپر کہ ایمان و عقیدہ کی محکم بنیاد قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہو اور اپنے "بڑوں" کے دفاع کے لیے بے حیثیت اقوال و روایات کو حجت و دلیل بناتے ہو۔ تم اس بات کو بھولے ہوئے ہو کہ قیامت کے دن اللہ کے رسولؐ رب ذوالجلال سے شکوہ فرمائیں گے کہ:

○ **وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا** ○...... (الفرقان ۳۰)

"اور رسول کہیں گے' اے میرے رب میری قوم نے تو اس قرآن کو بالکل ہی متروک قرار دے دیا تھا۔"

یعنی انہوں نے قرآن کو تو پس پشت ڈال دیا تھا اور اس سے دلیل و رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے قرآن کے خلاف دلائل فراہم کرنے میں سرگرداں رہنے لگے تھے!۔ یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ قرآن و حدیث کے نصوص و کلیات سے صرف نظر کر کے کسی آیت قرآنی یا روایت حدیث کا مفہوم اخذ کرنا دینداری نہیں بلکہ صریح گمراہی ہے۔ علم القرآن اور علم الحدیث کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن کی آیت اور حدیث کی روایت کی تشریح و توضیح اس طرح کی جائے کہ وہ قرآن و حدیث کے نصوص قطعیہ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو جائے۔ اہل علم کا یہی طریقہ کار رہا ہے اور قرون اولیٰ میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ غور فرمائیے نبی علیہ السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہمارے لیے کس کا عمل مشعل راہ بن سکتا ہے!۔ بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(ا) ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، قلیب بدر کے واقعہ کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سن کر اس کا مفہوم قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا اور فرمایا کہ یہاں سننے سے مراد علم ہے یعنی یہ (مقتولین بدر) اب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (دعوت کے دوران کے) فرمودات کو خوب جان گئے ہیں۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)۔ اس طرح ام المومنینؓ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن کی روشنی میں وضاحت فرمادی۔

مقام حیرت ہے کہ یہ اکابر پرست حیات فی القبر کے اس باطل عقیدہ کے دفاع کی کوشش میں چند روایات سے قرآن و حدیث کے خلاف مفہوم کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور امت کی قابل صد احترام فقیہہ ام المومنینؓ پر صحیح مفہوم بیان کرنے کے جرم میں زبان طعن دراز کرنے سے بھی نہیں جھجکتے اور ان کو اپنے بڑوں کے مقابلہ میں معذور یا ناقص الفہم قرار دے ڈالتے ہیں، حیف صد حیف!

حالانکہ ناقص الفہمی اور کوتاہ نظری ہی نہیں بلکہ بدترین گمراہی اور جہالت کا شکار یہ خود ہیں جو قلیب بدر والی روایت کے الفاظ اور عائشہؓ کی طرف سے قرآنی تعلیمات کے مطابق اس کی وضاحت کو بنیاد بنا کر سماع موتی کے مشرکانہ عقیدے اور قبر پرستی کے دیومالائی نظام اور اس کے کارپردازوں کے تحفظ کے لیے لوگوں کو یہ مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کررہے ہیں کہ سماع موتی کے معاملے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس یہ بالکل واضح، دوٹوک اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ بالاتفاق سماع موتی کے مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ میں عبداللہ بن عمرؓ اس واقعہ کو نبی علیہ السلام کے معجزے کے طور پر پیش کرتے ہیں جو ظاہر ہے عام اصول اور قاعدہ نہیں بلکہ استثنائی صورت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو معجزانہ طور پر زندہ کرکے مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ان کو نبی علیہ السلام کی باتیں سنوائیں۔ جبکہ عائشہؓ کی وضاحت کے مطابق کفار و مشرکین نے اللہ کے عذاب کو نبی علیہ السلام کی وعید کے مطابق، ذلت و رسوائی سے دوچار ہوکر، عملی طور پر دیکھ اور جان لیا۔ اور یہی دراصل وہ مستقل کیفیت ہے جس میں وہ برزخ کے دوران قیامت تک رہیں گے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آراء سے جو بات بغیر کسی شائبہ اختلاف ثابت ہورہی ہے وہ یہ ہے کہ سماع موتی کا عقیدہ قرآن و حدیث کے خلاف ایک مشرکانہ عقیدہ ہے اور یہ کہ اس کے رد میں صحابہ کرامؓ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق یک زبان ہیں، ان کے اندر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ صحابہؓ کے درمیان اختلاف کی بات محض ایک ہتک آمیز موشگافی اور آخرت سے بے خوف مولویانہ چالاکی کا شاخسانہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ دیومالائی نظام اور اس کے سرپرستوں کی حفاظت کے لیے ان کے پرستاروں کی تمناؤں پر مبنی ریت کی دیوار ہے۔ غالباً" ایسے ہی بودے سہاروں پر کھڑے لوگوں کے لیے اللہ کی کتاب تبصرہ فرماتی ہے؛

**تلک امانیهم ط قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین** (البقرۃ)

(۲) اسی طرح لوگوں کی آہ و بکا کرنے پر مردوں کو عذاب کے بارے میں جب عبداللہ بن عمرؓ اور عمرؓ کی روایات کا ام المومنین سے ذکر کیا گیا تو آپ نے روایات کا صحیح مفہوم قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمادیا۔ ابن عباسؓ نے عمرؓ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب عمرؓ کو زخمی کیا گیا تو صہیبؓ آہ و بکا کرنے لگے۔ عمرؓ نے انہیں منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ میت کو البتہ اس کے بعض اعزہ کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے۔" ابن عباسؓ نے ان کی وفات کے بعد اس واقعہ کا ذکر عائشہؓ سے کیا تو انہوں نے کہا "اللہ عمرؓ پر رحم فرمائے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ نہیں ہے کہ میت کو اس کے عزیزوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافر کی میت پر ان کے رونے کے سبب عذاب زیادہ کردیا جاتا ہے۔" پھر ام المومنینؓ نے اپنے اس موقف کے ثبوت میں قرآن کی آیت تلاوت فرمائی **"ولا تزر وازرة وزر اخرى"** (یعنی کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا)۔ ابن عباسؓ نے ام المومنین کی بات ابن عمرؓ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے خاموشی اختیار کی یعنی اس وضاحت سے اتفاق کیا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)۔

۵۔ **آیات و روایات کی تشریح توضیح نصوص قطعیہ کے مطابق کی جائے گی:** قرآن و حدیث میں اس پر بے شمار مثالیں موجود

ہیں' یہاں صرف چند بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جو اس اصول کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ احادیث صحیحہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تبیین (تائید و تشریح) کرتی ہیں نہ کہ کلام اللہ کی تردید (العیاذ باللہ!)۔ اہل علم میں یہی اصول کار فرما رہا ہے اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درج بالا مثالیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ اب یہ ان مدعیان "حیات فی القبر" کی مجبوری ہے کہ ان کو اپنے اور اپنے بزرگوں کے عقیدے کی تائید میں نہ تو کوئی قرآن کی آیت ملتی ہے اور نہ صحیح احادیث بلکہ ان کے پاس منکر و موضوع روایات کا ڈھیر ہے۔ جب ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ عقائد کا دارومدار تو محکم آیات قرآنی پر ہی ہونا چاہیے اور احادیث صحیحہ اس کی تائید و تشریح میں پیش کی جانی چاہئیں۔ نصوص کا قرآن و حدیث کے خلاف مفہوم اخذ کرنا مناسب نہیں' کیونکہ یہ تو قرآن و حدیث کے انکار کے مترادف ہوگا' تو بات سمجھنے کی بجائے ہٹ دھرمی کے ساتھ فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں کہ آپ عذاب قبر نہیں مانتے' آپ صحیح احادیث کو نہیں مانتے۔ آخر ہمیں تاویل و تشریح کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟۔ لیکن دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس اصول اور موقف پر جمتے بھی نہیں' مثال کے طور پر جب ہم ان کے سامنے صحیح بخاری کتاب الرقاق' باب التواضع کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے مجھ سے تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے....."

اب اگر ان سے کوئی پوچھے کہ کیا آپ اس روایت سے صوفیوں کے نظریہ وحدت الوجود (حلول) کی تائید کرنا پسند کریں گے؟ تو فوراً جواب دیں گے "ہرگز نہیں' اس کی تاویل کی جائے گی۔" ان کو معلوم ہو کہ صوفی تو اسی روایت سے اپنے اور اپنے پیروں کے نظریے "حلول" کا دفاع کرتا ہے اور یہ ان کے استدلال کی اہم بنیاد ہے۔ وہ بھی تو اسی طرح کہتا ہے کہ آخر ہمیں تاویل کی کیا ضرورت ہے!! ان کے طرز استدلال کی بے بضاعتی ثابت کرنے کے لیے تو یہ تقابل کافی ہونا چاہیے' لیکن ہم قرآن سے بھی اس کی مثال پیش کیے دیتے ہیں تاکہ چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

○ **ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی** ج....... (انفال ۱۷)

(اے نبی! جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں' وہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں.....)

کیا موصوف اس آیت کا وہ مفہوم لیں گے جس سے "عاشقان رسول" کے عقیدے کی تائید و تصدیق ہو اور "احد" اور "احمد" کا فرق باقی نہ رہے؟ (العیاذ باللہ!)۔ شاید یہ مدعیان "حیات فی القبر" اس سے اتفاق نہ کریں' مزید ملاحظہ فرمائیں۔ اسی آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا:

○ **فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم** ص...... (انفال ۱۷)

"(اے مومنو!) تم نے کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا تھا..."

یہاں بھی موصوف کو نظریہ "حلول" سے بچنے کیلئے آیت کی تشریح قرآن و حدیث کے مطابق ہی کرنا پڑے گی۔ مزید ملاحظہ ہو' سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے "بیعت رضوان" کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

○ **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ** ط **ید اللہ فوق ایدیھم** ج......(الفتح)

"(اے نبی) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ ہی سے بیعت کر رہے تھے' ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا"

یہاں یہ ذہن نشین کرلیا جائے کہ ان آیات میں اللہ تعالے نے نبی علیہ السلام اور مومنین صادقین کی سرفروشی اور جان نثاری کے والہانہ انداز کی انتہائی فصیح و بلیغ ادیبانہ انداز میں قدر دانی فرمائی ہے اور یہ محبوب بندوں کی تکریم کا وہی انداز ہے جو بخاری (کتاب الرقاق) کی محولہ بالا عبارت میں ملتا ہے۔ بہرحال اب تو ان کو اس اصول کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ آیات و روایت کی تشریح و تاویل نص قطعی کے مطابق ہونا ضروری ہے ورنہ گمراہی کا شدید خطرہ ہے۔ ہماری توقع کے مطابق اگر یہ اس موقف کو بخوشی تسلیم کرلیں تو پھر ان سے

درمندانہ گذارش ہے کہ موضوع و منکر روایات کی بنیاد پر اختراع کردہ عقیدہ "عود روح" یا "حیات فی القبر" سے رجوع کرلینے کی اپنے اندر ہمت پیدا کریں کیونکہ یہ قرآن و حدیث کے نصوص و کلیات کے یکسر خلاف ہے' اور قبر پرستی کی شکل میں بت پرستی کے دین کی بنیاد ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی تعلیمات میں تطبیق کے غیر متنازعہ اصول کے مطابق ایسا یکساں اور مضبوط موقف اختیار کریں جو کسی طرح بھی کفرو شرک پر مبنی نظریات کا موئید نہ ہو۔ اس طرح حق کی حمایت میں اس کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں اور بے دینی و گمراہی پھیلانے والے طواغیت کا دفاع کرنے کی بجائے ان سے برات کا اظہار کریں' دین خالص کا یہی تقاضہ ہے۔ یہ بات آج نہ سمجھے تو کل سمجھنا سودمند نہ ہوگا اور **"هل الى خروج من سبيل....."** کی درخواست قبول نہ کی جائے گی ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات۔ بصورت دیگر تو ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ **"ذوالوجهين"** دہرے معیار کے حامل ہیں' قرآن و حدیث کے مطابق تاویل و توضیح کو اسی حد تک ضروری خیال کرتے ہیں جب تک کہ ان کے اکابرین کے عقائد پر چوٹ نہ پڑے۔ جب اکابرین کا معاملہ درمیان میں آجائے تو یہ موضوع و منکر روایات کو محکم آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ترجیح دینے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ "حلول" کے عقیدہ کو رد کرنے کے لیے آیات و روایات کی صحیح تاویل و تشریح پر شدومد سے زور دیتے ہیں لیکن جب معاملہ "حیات فی القبر" کا ہو تو ظاہرا الفاظ کو ہی دانتوں سے پکڑتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی حمایت و مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں!۔ یہ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں لیکن ہم اس کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ جس طرح تصوف کے شاہکار وحدت الوجود (حلول و شہود) نے امت کے اندر فساد و بربادی پھیلائی ہے۔ اسی طرح عقیدہ عود روح یا حیات فی القبر نے قبر پرستی کی عمارت کو استوار کرکے دین و ایمان کا جنازہ نکال دیا ہے!' اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دونوں نظریے ایک ہی پالنے میں پروان چڑھے ہیں' ایک ہی جڑ (شرک) سے نکلے ہوئے شجر خبیثہ کی دو شاخیں ہیں۔

٦۔ **یہ نفس پرست مقلدین:** درج بالا سطور میں یہ بات کچھ تفصیل سے آچکی ہے کہ ان فرقہ پرستوں کا اصل مسئلہ عذاب قبر نہیں بلکہ اس مردہ بابا کو زندہ رکھنا ہے تاکہ قبر پرستی کا کاروبار چلتا رہے اسی لیے اس دین کے علمبردار یہ انداز اپنائے ہوئے ہیں کہ قرآن و صحیح احادیث پر مبنی صحیح موقف اختیار کرنے کے بجائے آئمہ ضلالت کے ایجاد کردہ باطل عقیدے سے چمٹے رہیں اور حتی المقدور اس کے دفاع میں سرگرم رہیں۔ انہی میں ایک مسعود احمد صاحب بی۔ ایس۔ سی ہیں جو جماعت المسلمین کے نام کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے عقائد اور ان کا انداز فکر و عمل تقریبا" مسلک اہل حدیث کی طرح ہی ہے۔ محض نام تبدیل کرکے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بڑا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر قرآن عزیز جلد پنجم میں سورۃ ابراہیم کی تفسیر میں عذاب قبر کے حوالے سے طویل بحث کی ہے' اس کا یہاں اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے لیکن اس سے قبل یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ مسعود صاحب ایک طرف تو یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ صحیح سند سے آنے والی روایت کا متن قرآن کی محکم آیت کے خلاف ہی کیوں نہ محسوس ہو اس کی تاویل و تشریح کرنے کی ضرورت نہیں' الفاظ سے ہی مفہوم لیا جائے۔ لیکن خود بوقت ضرورت حدیث کی مختلف تاویلات کرتے ہیں اور بجائے تاویل کے "تطبیق" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (اس کی متعدد مثالیں ان کی کتابوں سے پیش کی جاسکتی ہیں) تاویل و تشریح تو ہوتی ہی تطبیق کے لیے ہے لیکن یہ جداگانہ اصطلاح استعمال کرکے اپنے لئے جواز پیدا کرلیتے ہیں اور بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ یہ تاویل کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کیسی بوالعجبی ہے یہ کہ اپنے لیے ایک معیار ہے تو دوسروں کے لیے دوسرا معیار!۔ ستم بالائے ستم یہ کہ کبھی کبھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے حدیث کا ترجمہ تک بدل ڈالنے میں تامل نہیں کرتے' اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

حکم رسول| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ اہل دوزخ میں سے ہے۔"
ایک شخص نے پوچھا "اے اللہ کے رسول، اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ~

نے فرمایا "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے"۔ پھر فرمایا "فَادْعُوْا بِدَعْوَی اللّٰہِ الَّذِیْ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِبَادَ اللّٰہِ" لہٰذا (مسلمین کو) اس ہی لقب سے پکارو جس لقب سے اللہ نے، جس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے، پکارا ہے۔ یعنی مومنین، اللہ کے بندے۔ (رواہ الترمذی فی ... اللہ اللہ، جب القاب تک بدلنے کی اجازت نہیں تو نام بدلنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن

عکس (ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم) ص۸

ایک اہل حدیث حافظ محمد سلیمان نے اس کا درج ذیل جواب دیا، ملاحظہ ہو۔

مسعود صاحب پر فارسی کی کہاوت صادق آتی ہے۔ چہ دلاور است دزدے کہ در دست چراغ دارد۔ انہوں نے یہ ترجمہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل سے نکال کر کیا ہے۔ ایک معمولی عربی جاننے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ المسلمین، المومنین عباداللہ تینوں **اسم سماکم** کے بعد آئے ہیں۔ اگر نام ہیں تو تینوں نام ہیں۔ اگر القاب ہیں تو تینوں کا ایک ہی حکم ہے مگر مسعود صاحب نے بڑی ڈھٹائی سے مسلمین کو نام مومنین اور عباداللہ کو القاب بنایا ہے تاکہ انھیں کوئی یہ نہ کہہ سکے مسلمین نام سے جماعت المسلمین بنائی ہے تو مومنین نام سے جماعت المومنین کیوں نہیں بناتے عباداللہ نام سے جماعت عباداللہ قائم کیوں نہیں کرتے۔ (الفرقۃ الجدیدۃ۔ ص ۴۸)

تو مسعود احمد صاحب نے اس کا یہ جواب دیا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

جواب | یہ ترجمہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قرآن مجید میں صرف "هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ" (الحج - ۷۸) ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ" یا "هُوَ سَمّٰكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ" نہیں ہے۔ (عکس الجماعۃ القدیمہ... ص ۸)

ملاحظہ فرمایا، حصول مقصد کے لے ترجمہ ہی بدل ڈالا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہم صحیح ترجمے کے ساتھ قرآن و حدیث کے مطابق تشریح کریں تو مجرم قرار دئے جائیں اور یہ ترجمہ غلط کریں تو ان کے لیے جائز ہے، اس لیے کہ صحیح ترجمہ ان کی نظر میں خلاف قرآن ہے۔ کیا ان کے مقلدین میں سے کسی میں بھی اتنی جرات نہیں جو اپنے علامہ صاحب کو ان کی بے باکی اور آخرت سے بے خوفی پر ٹوک سکے؟۔ تقریباً" یہی انداز منکرین حدیث کا ہے جو انکار حدیث کے مقصد سے آیات قرآنی کے معنی و مطالب میں حسب دلخواہ تحریف کرلیا کرتے ہیں!۔

مسعود احمد صاحب نے عذاب قبر کی اس بحث میں صحیحین کی جتنی روایات پیش کی ہیں ان میں جسم میں روح لوٹانے کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں، حالانکہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا معاملہ جسم اور روح دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اب ان کے نظریے کے مطابق تو یہ سب کچھ اس دنیاوی گڑھے میں اس لاشے کے ساتھ ہی ہوتا ہے تو پھر انھیں پہلے "عود روح" ثابت کرنا پڑے گا کیونکہ یہ ان کے لیے مسئلہ نمبر ایک ہے۔ لیکن یہ لوگ اس سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس قرآن کی محکم آیات کے مقابلے میں نہ تو کوئی قرآن کی آیت ہے اور نہ صحیح حدیث، **لہٰذا** بڑی چابکدستی سے اس مسئلہ کو گھما کر "عذاب قبر" کے ہی ثبوت میں احادیث لا کر بحث کو طول دینے کی کوشش کرتے ہیں اور آخر میں نتیجہ یہ نکال دیتے ہیں کہ گویا اس ارضی قبر (دنیاوی گڑھے) میں عذاب و راحت ثابت کر دکھایا۔ ہم نے تو متعدد بار اس بات پر زور دیا ہے کہ عذاب قبر حق ہے، یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور سلف صالحین کا ہمیشہ متفقہ موقف رہا ہے اور اس کا انکاری بلاشبہ کافر ہے۔ لیکن اصل مسئلہ جو باعث نزاع ہے وہ قیامت سے پہلے مردے کے جسم میں "روح کا لوٹ آنا ہے" اور اس کے لیے ان کے پاس نہ تو قرآن کی کوئی آیت ہے اور نہ کوئی صحیح حدیث!۔ دوسری بات یہ کہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا معاملہ ان لاشوں کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے جن میں سے اکثر کو یہ زمینی گڑھا (ارضی قبر) ملتا ہی نہیں، کیونکہ اکثر کو جلا دیا جاتا ہے، بعض جانوروں کی

غذا بن جاتے ہیں یا کسی میوزیم کی زینت' سائنسی تجربات و مطالعے کے لیے یا لوگوں کی عبرت نگاہی کے لیے (فراعنہ کی میوں کی طرح) یا کبھی لاشے پوسٹ مارٹم کے لیے قبر سے نکال لیے جاتے ہیں۔ جن لاشوں کو یہ گڑھا ملتا بھی ہے تو وہ کچھ عرصہ کے بعد اس گڑھے میں گل سڑ کر مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں (سوائے عجب الذنب کے)۔ لاشوں کا گل سڑ کر مٹی میں مل جانا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس کا انکار کرنے والا بھی بلاشبہ کافر ہے۔ اب یہ مدعیان حیات فی القبر ذرا اس بات پر غیر جانبدارانہ غور کر لیں کہ کیا یہ عذاب و راحت کا معاملہ کچھ مخصوص لوگوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے (جن کو یہ زمینی گڑھا ملتا ہے) اور کیا یہ صرف محدود مدت کے لیے ہوتا ہے' یا گلے سڑے لاشوں اور مٹی میں ملے ذرات کے ساتھ بھی ہوتا رہتا ہے!۔ قرآن و حدیث سے تو یہ ثابت ہے کہ یہ معاملہ سب کے ساتھ ہے' انبیاء و شہداء اور صلحاء کے لیے جنت کی راحتیں اور فاسقوں کے لیے آگ کا عذاب قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ شہداء کے اڑنے والے قالب کا ذکر حدیث میں موجود ہے اور عمرو بن لحی الخزاعی کے آنتوں والے جسم کا بھی بخاری میں ذکر ہے' اور یہ بھی واضح ہے کہ یہ سلسلہ عذاب و راحت قیامت تک جاری رہے گا جبکہ اللہ تعالیٰ عجب الذنب پر دوبارہ جسم بنا کر اس میں روح ڈال کر اٹھا کھڑا کرے گا اور حساب و کتاب کے لیے میدان حشر میں جمع کرے گا۔ تو کیا ان اندھے مقلدین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انبیاء' شہداء اور صلحاء کے جنتی جسموں کا یا عمرو بن لحی الخزاعی اور فراعنہ وغیرہ کافروں و مشرکوں کے جہنمی جسموں کا ان ارضی قبروں کے گلے سڑے لاشوں اور مٹی میں ملے ہوئے ذرات سے قطعاً" کوئی تعلق نہیں' اور تعلق ہو بھی کیسے سکتا ہے' وہ عالم برزخ میں ہیں اور یہ ان دنیاوی قبروں میں!۔ یاد رکھیے' رب ذوالجلال کی بات "**ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون**" ہرگز غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کے خلاف عقیدہ و موقف اپنانے والے بلاشبہ جھوٹے ہیں اور شیطان کے آلہ کار۔ ان کے اندھے مقلدین نفس پرستی کا شکار' کبھی تو موضوع و منکر روایات کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی صحیح احادیث کی غلط تاویلات کا۔ اس کا مختصر جائزہ درج ذیل سطور میں پیش کیا گیا ہے' ملاحظہ ہو:

۷۔ **صحیح حدیث کی صحیح تاویل:** سواء السبیل سے بھٹکنے والے ان مدعیان حیات فی القبر کی دشواری یہ ہے کہ قرآن و صحیح احادیث سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے اپنے اکابرین کے باطل عقیدے کے دفاع میں موضوع و منکر روایات کو دانتوں سے پکڑتے ہیں اور اپنے استدلال کی بنیاد بناتے ہیں اور پھر صحیح روایات کی غلط تاویل کے ذریعے باطل موقف کو تقویت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ مسعود احمد صاحب نے اسی کوشش میں مذکورہ تفسیر کے صفحے کے صفحے سیاہ کر دئے ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۶۴۵ پر بخاری کی درج ذیل روایت پیش کر کے اس کو ارضی قبر میں عذاب و راحت کی دلیل بناتے ہیں:

○ **ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ....**"

(جب بندہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے اصحاب اس سے پیٹھ موڑتے ہیں...."

اسی طرح ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

○ **اذا دخل الانسان قبرہ....**" (جب انسان قبر میں جاتا ہے.....)

اس قسم کی روایت سے قرآن و حدیث کے خلاف ارضی قبر میں عذاب و راحت کے لیے "عود روح" کے نظریے کا استنباط کرنا سراسر حماقت ہے۔ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ ان کی اکثریت کو نہ یہ گڑھا ملتا ہے نہ دفن کرنے والے اصحاب' جن کے جوتوں کی چاپ (یہ مردے) سن سکیں' تو کیا وہ سب سوال و جواب و عذاب و راحت کے مرحلہ سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ یہ نہ تو ارضی قبر میں رکھے گئے نہ داخل ہوئے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اسی وقت یہ معاملہ شروع ہوتا! نہیں ہرگز نہیں۔ نوح علیہ السلام کی پوری قوم پانی کے طوفان میں غرق کر دی گئی کسی ایک کی بھی ارضی قبر نہ بنی لیکن وہ عذاب سے نہ بچ سکے۔ مالک ذوالجلال کا فرمان کہ "**اغرقوا فادخلوا نارا....**" (نوح ۲۵) (غرق کئے گئے اور آگ میں ڈال دئے گئے) یعنی ادھر غرق ہوئے ادھر آگ میں ڈالے گئے (بغیر تاخیر و توقف کے)۔ قوم

نوحؑ کے مردوں کو نہ ارضی قبریں ملیں، نہ دفن کرنے والے ملے جن کے پیروں کی وہ چاپ سنتے۔ اسی طرح ایک بڑی اکثریت کو جلا دیا جاتا ہے، اکثر درندوں پرندوں اور بحری جانوروں کی خوراک بن جاتے ہیں، وہ کس کے پیروں کی چاپ سنتے ہیں؟۔ کیا فوری طور سے ان کی قبریں جانوروں کے پیٹ بن گئے؟ جلے ہوئے لاشوں کے منتشر ذرات کی ارضی قبر تو "موجود" نہ رہی بلکہ "معدوم" ہو گئی اسی طرح قوم نوحؑ کے مردوں کی ارضی قبر بھی معدوم ہو گئی۔ مسعود احمد صاحب کی لفاظی اور استدلال کی بے بضاعتی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"بندہ ارضی قبر میں رکھا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، کسی دوسری قبر کے وجود کا کوئی قرینہ نہیں۔ موجود قبر کے ہوتے ہوئے غیر موجود بلکہ معدوم قبر کا تصور قطعاً "باطل ہے" (تفسیر ص ۶۴۵)

ان کو حقیقت کا علم اب تو ہو جانا چاہیے کہ ہر بندہ ارضی قبر میں نہیں رکھا جاتا لیکن ہر ایک کے لیے قبر اور ہر فاسق و فاجر کے لیے عذاب قبر مقدر ہے، یعنی ہر ذی روح کے لیے موت اور ہر مرنے والے کے لیے قبر لازم ہے اور یہی حقیقت نفس الامر ہے، چنانچہ فرمایا:

○ **ثم اماته فاقبره.....** (عبس ۲۱) (پھر انسان کو موت دی اور ساتھ ہی قبر دی جاتی ہے)

دراصل یہ ہے وہ حقیقی قبر جو ہر ایک کے لیے مقدر ہے اور جو مرنے کے فوراً بعد مل جاتی ہے اور یہ موت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ رہی ارضی قبر تو یہ دنیاوی گڑھا ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتا۔ حدیث کے مطابق جوتوں کی چاپ کا معاملہ، سوال و جواب اور عذاب و راحت کا معاملہ اسی حقیقی قبر میں ہوتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، خواہ ارضی قبر بنی ہو یا نہ بنی ہو اور بنی بھی ہو تو حوادث دوراں کی نذر ہو جائے۔ اصل قبر عالم برزخ میں ہے، کیونکہ مرنے کے بعد اس دنیا سے تعلق یکسر ختم ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد کے تمام احوال انبیاء شہداء و صالحین اور فاسقین کے عالم برزخ کے احوال ہیں جن کا دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **لہٰذا** بخاری کی درج بالا روایت میں مذکور واقعات کا تعلق عالم برزخ سے ہی ہے۔ چنانچہ محدثین نے چاپ سننے کے الفاظ کی جو وضاحت کی ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ محض کنایہ ہے اور قبر کا معاملہ واقع ہونے کی عجلت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو بعض نے اس سے فرشتوں کے پیروں کی چاپ مراد لیا ہے۔ الغرض، اس سے ارضی قبر میں حیات اور سوال و جواب ثابت کرنا سخت جہالت و ہٹ دھرمی ہے اور قرآن و حدیث کے یکسر خلاف ہے۔ اسی طرح ص ۶۴۸ پر موصوف نے مسلم کی ایک روایت پیش کی ہے. جس کے الفاظ ہیں:

"**ان هذه القبور.......**" (بے شک یہ قبریں اندھیروں سے پر ہوتی ہیں.....الخ)

اس روایت سے موصوف نے بڑے زور و شور سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے "**ان هذه القبور**" کہہ کر گویا قبر کو متعین فرما دیا ہے، حالانکہ یہ محض عہد ذہنی کا معاملہ ہے (یعنی ذہن میں موجود شے یا شخص کے لیے اشارہ قریب استعمال کر لینا جبکہ وہ قریب نہ ہو لیکن سننے والا مفہوم کو سمجھ لے)۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق ہرقل والی روم نے کہا تھا:

○ **انی سائل هذا عن هذا الرجل**"

(میں اس شخص یعنی ابوسفیان سے اس شخص یعنی محمدؐ کے بارے میں پوچھوں گا)۔

**محمد** صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت روم سے سینکڑوں میل دور مدینہ میں تھے، لیکن ان کے لیے گفتگو میں اشارہ قریب "**هذا**" استعمال کیا گیا۔ الغرض، روایت میں آئے ہوئے لفظ "**هذا**" سے اپنے مطلب کا مفہوم اخذ کر لینا پر فریب جہالت ہے اور فہم حدیث کے فقدان کی علامت۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "عذاب برزخ" ڈاکٹر عثمانیؒ ص ۱۱ تا ۲۲ اور ایمان خالص قسط دوئم ص ۲۳، ۲۴)۔ البتہ اس سے ان کے استدلال کی بے بضاعتی ثابت ہو جاتی ہے کہ کس طرح باطل موقف کی تقویت کے لیے تنکوں کا سہارا لیتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ گمراہی سے اپنے آپ کو بچائیں اور صحیح سند سے آنے والی روایات کی تشریح و توضیح قرآن و حدیث کی روشنی ہی میں کریں۔ قرون اولیٰ سے اہل علم نے ہمیشہ یہی انداز اختیار کیا ہے۔ بعض روایات کے معاملہ میں تو یہ مدعیان حیات فی القبر بھی اس اصول کو اپناتے رہے، جیسا کہ

اوپر اس روایت کا حوالہ دیا جاچکا ہے کہ جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ مومن بندہ کا ہاتھ بن جاتا ہے' پاؤں بن جاتا ہے وغیرہ (بخاری کتاب الرقاق)۔ اسی طرح ایک دوسری روایت ہے جس میں مردہ کے چارپائی پر یا کاندھے پر بولنے کا ذکر ہے جس کے الفاظ تو ان کے عقیدہ کے بھی خلاف ہیں۔ ان تمام روایتوں کی یہ سب ہی تاویل کرتے ہیں اور کوئی بھی بعینہ الفاظ سے مفہوم اخذ نہیں کرتا' پھر ان کو ان چند روایات کی صحیح تاویل کر کے قرآن کے ساتھ تطبیق پیدا کرلینے میں نہ معلوم کیا قباحت محسوس ہوتی ہے کہ اس کے بعد تو یہ اشکال کالعدم ہوجاتا ہے اور یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا مقام برزخ ہے نہ کہ یہ ارضی قبر۔ اس مسلمہ حقیقت کی تائید میں بے شمار واقعات احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

I۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جس جگہ مسجد نبوی تعمیر ہوئی وہاں مشرکوں کی قبریں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ ان قبروں کو اکھاڑ دیا جائے (بخاری)۔ غور فرمایئے کہ اگر ان ارضی قبروں میں عذاب و راحت ہو رہا ہوتا تو ان کو اکھاڑنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ نبی علیہ السلام کو ان مشرکوں پر عذاب ختم کرانا تو مقصود نہ تھا: سوچنے کی بات ہے کہ کیا قبریں ختم ہونے کے بعد وہ مشرک عذاب سے بچ گئے؟۔ ظاہر ہے کہ ان قبروں کا یا ان میں مدفون لاشوں کا عالم برزخ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے بلا پس و پیش ان کو ختم کرا دیا۔

II۔ صحیح بخاری میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ جب وہ اسلام لایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب مقرر ہوا۔ پھر وہ مرتد ہوگیا اور نبی علیہ السلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگا۔ جب اس کی موت واقع ہوئی اور اس کو دفن کیا گیا تو دوسرے روز اس کی لاش قبر سے باہر پڑی ملی' پھر دفن کیا گیا پھر لاش قبر سے باہر پڑی ملی۔ تین مرتبہ دفن کیا گیا اور تینوں مرتبہ زمین نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا۔ کیا یہ مرتد لاشہ باہر نکلنے کے بعد عذاب قبر سے بچ گیا؟ کیونکہ ان کی مزعومہ قبر نے تو اسے باہر پھینک دیا۔ ہرگز نہیں! نہ تو یہ مرتد عذاب قبر سے بچا نہ وہ مشرکین بچ سکتے ہیں جن کی قبریں مسمار کردی جاتی ہیں اور پرانی قبروں کی جگہ نئی قبریں بنادی جاتی ہیں۔ سعودی عرب میں تو ایک قبر میں کئی کئی لاشے دفن کئے جاتے ہیں اور پھر کیمیائی عناصر کے ذریعے لاشوں کو تحلیل کر کے قبرستانوں کو بار بار استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ان قبروں میں ان لاشوں کو ہی زندہ کر کے عذاب و راحت ہوتا تو یہ قبر کے لاشے کیمیائی عناصر سے تحلیل نہ کئے جاتے۔

الغرض' نہ تو قبر مسمار ہونے کی وجہ سے کوئی عذاب قبر سے بچ سکتا ہے اور نہ پوسٹ مارٹم وغیرہ کے لیے لاشے باہر رکھنے کی وجہ سے عذاب قبر میں تاخیر و تعطل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عذاب و راحت کا مقام برزخ ہے' یہ گڑھا نہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ معاملہ مرنے کے بعد فوراً شروع ہوتا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ خواب والی معراج کی جو روایت امام بخاری لائے ہیں اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ عذاب میں مبتلا دکھائے گئے اور ان کو بتایا گیا کہ:

"یفعل بہ الی یوم القیامۃ" یعنی ان کے ساتھ یہ معاملہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ (بخاری)۔

حیرت ہے کہ مسعود احمد صاحب عذاب قبر کی بحث میں اس حدیث کو نہیں لائے۔ وہ نبی علیہ السلام کے خواب کو وحی تو یقیناً" سمجھتے ہوں گے لیکن شاید ان کو یہ اندازہ بھی ہوگا کہ یہ روایت ان کے ارضی قبر کے عقیدے کے صریحاً" خلاف ہے۔ بہرحال' درج بالا واقعات و مشاہدات سے بھی اس باطل عقیدے کی صریح طور سے تردید ہوجاتی ہے۔

دراصل ان مدعیان حیات فی القبر کے لیے ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن نے تو دو ٹوک انداز میں دو موتوں اور دو زندگیوں کو ثابت کردیا ہے' لہٰذا یہ تیسری زندگی تو صریحاً" خلاف قرآن ہے۔ ان کے اکابرین تو اس مسئلہ کو مختلف انداز میں گھماتے رہے ہیں لیکن نام نہاد جماعت المسلمین کے مسعود احمد صاحب نے ایک عجیب ہی حماقت آمیز موقف اختیار کیا ہے۔ اپنی محولہ تفسیر کے صفحہ ٦٦٧' ٦٦٨ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دوسری زندگی یہ ارضی قبر کی زندگی ہی ہے نہ کہ قیامت کے دن کی' چنانچہ (ان کے بقول) روح کو لاشے

میں ڈال کر پھر نکالا نہیں جاتا۔ بالفاظ دیگر روز قیامت مردے کو زندہ کر کے نہ اٹھایا جائے گا بلکہ پہلے سے زندہ کو ہی اٹھا کھڑا کیا جائے گا!! چہ خوب! ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے مردہ لاشے کو زندہ کر کے بزعم خویش اپنے آپ کو دو موتوں اور دو زندگیوں کے قرآنی نظریئے کی تردید کے الزام سے تو بچالیا لیکن یہ نہ سوچا کہ اس مضحکہ خیز انداز کو اختیار کر کے قرآن کی کتنی آیات اور کتنی صحیح احادیث کو بہ یک جنبش قلم رد کر ڈالا' یا حسرۃ علی العباد!' افسوس صد افسوس' یہ نفس پرست مقلدین اپنے "بڑوں" کے وقار کے دفاع کی ظالمانہ و جاہلانہ کوشش میں کتاب اللہ کی آیات کے تمسخر سے بھی باز نہیں رہتے' اور اس دھن میں ان کو اپنے نادان پیروکاروں پر اپنے علمی تفاخر کا زعم رب ذوالجلال کی پکڑ سے بھی بے خوف رکھتا ہے۔

یہ اپنے باطل نظریئے کے دفاع میں ارضی قبر میں مردے کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر کے قرآن کی کتنی آیات کے کفر کے مرتکب ہو گئے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **"اموات غیر احیاء"** (یہ مردہ ہیں' زندہ نہیں۔ النحل ۲۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (لوگ جن کو حاجت روائی کے لیے پکار رہے ہیں' نبی ولی وغیرہ) یہ مردہ ہیں' زندہ نہیں لیکن اس کے برعکس ان کا کہنا ہے کہ "یہ زندہ ہیں' مردہ نہیں" (یعنی ان کے بڑوں کی بات سچی اور اللہ کی بات غلط' معاذ اللہ!)۔

۲۔ **"انا نحن نحی الموتی...."** (بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے... یٰسین ۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ (یہ مردے قیامت تک مردے رہیں گے' پھر روز قیامت) ہم ان مردوں کو ہی زندہ کریں گے لیکن اس کے برخلاف ان کا اصرار ہے کہ یہ زندہ ہیں اور زندہ ہی رہیں گے! (گویا کہ اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی ہے جس کی ان کے بزرگوں نے تصحیح فرما دی ہے' العیاذ باللہ!!)۔

۳۔ **"الم نجعل الارض کفاتا احیاء و اموانا"**

کیا ہم نے مردوں اور زندوں کو سمیٹنے کے لیے زمین کو کافی نہیں بنایا ہے: (المرسلات ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے تو مردوں اور زندوں دونوں کا ذکر فرمایا ہے لیکن ان کے عقیدے کے مطابق سب ہی زندہ ہیں (ہر مرنے والا چند لمحوں بعد ہی زندہ ہو جاتا ہے) کچھ زمین کے اوپر ہیں تو کچھ زمین کے اندر!۔ ملاحظہ فرمائیے کیسا تضاد ہے رب ذوالجلال کے فرمان اور ان نفس پرست مقلدین کے موقف میں! اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں چند آیات ہی پیش کی گئی ہیں' مزید کچھ آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں جن میں موت اور زندگی دونوں ہی کا ذکر ہے:

الانعام ۳۶' الاعراف ۵۷' الحج ۶' الروم ۵۰' یٰسین ۷۸' ۷۹' فصلت ۳۹' الشوریٰ ۹' الاحقاف ۳۳' القیامہ ۴۰۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ خود مسعود احمد صاحب اپنی تفسیر کی اسی جلد کے صفحہ ۶۶۶ پر سورۃ العادیات کی آیت نمبر ۹ کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

"تو کیا اسے نہیں معلوم کہ قبروں میں جو (مردے دفن) ہیں جب انھیں (زندہ کر کے) باہر نکالا جائے گا"

ملاحظہ ہو' یہاں قبر والے کو زندہ کر کے اٹھایا جا رہا ہے۔ اب اگر وہ زندہ ہی ہے' مردہ نہیں تو پھر "زندہ کر کے" اٹھانا چہ معنی دارد!۔ سوتے کو جگا کر اٹھایا جاتا ہے' جاگتے ہوئے کو تو کوئی نہیں جگاتا' طنزاً یا محاورے کے طور پر اس طرح کہہ دینے کی بات اور ہے' اس کو دلیل نہیں بنایا جاتا۔ موصوف کے درج بالا ترجمے نے یہ ثابت کر دیا کہ مردہ کا قیامت تک قبر میں مردہ رہنا اور قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جانا ان کے لاشعور میں موجود ہے جس کا اظہار ان سے لاشعوری طور پر ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی حقیقت نفس الامر کے صریحاً انکار کرنے والے بھی نادانستہ اور لاشعوری طور پر اعتراف حق کا اظہار کر جاتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال ان کی اسی تحریر سے پیش کی جائے گی۔ مذکورہ تفسیر

میں موصوف نے ارضی قبر میں حیات ثابت کرنے کے لیے منکر روایات دلائل کے طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا انہوں نے اپنا موقف کماحقہ ثابت کردیا ہے اور اب یہ اس سلسلہ میں اٹھائے گئے اعتراضات و اشکالات بھی رفع کریں گے!۔ اشکالات تو کیا رفع کرتے، البتہ حیات فی القبر کے خلاف دلائل و اعتراضات کو اشکالات کا روپ دے کر اپنے زعم میں ان کے جوابات دیتے ہوئے موصوف نے خلاف قرآن باطل موقف کو حق ثابت کرنے کی کوشش میں جو لفاظی فرمائی ہے وہ توانہی کا حصہ ہے، لیکن کہیں کہیں کچھ سچی بات کہنے پر بھی مجبور ہو گئے ہیں۔ قبر کی کشادگی کے مسئلہ پر لاجواب ہو کر کس طرح جان چھڑانے کی کوشش کی ہے ملاحظہ ہو:

"یہ سوال محض عقل کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح قدرت ہے وہ اتنی سی قبر میں بھی گنجائش پیدا کر سکتا ہے اگرچہ ہماری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں۔ ہم اس وجہ سے نہیں دیکھ سکتے کہ مرنے کے بعد کے حالات اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اسی پردہ کو برزخ کہتے ہیں۔" (تفسیر ص ۶۶۳)

یہ بات قابل غور ہے کہ تمام قبر پرست اپنے نام نہاد ولیوں (زندہ ہوں یا مردہ) کی مافوق الفطرت کرامات کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی حوالہ دیا کرتے ہیں!۔ بہر نوع، اب اصل مسئلہ پر توجہ کی جائے۔ یہاں موصوف اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ "مرنے کے بعد کے حالات اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اسی پردہ کو برزخ کہتے ہیں۔" یہ انہوں نے بالکل صحیح بات کہہ دی ہے اور اس کا مطلب صاف ہے کہ مرنے کے بعد کے حالات (یعنی عذاب و راحت) اس پردہ کے پیچھے ہیں جس کو برزخ کہتے ہیں۔ پردہ کے پیچھے اس مقام عذاب و راحت کو ہی "عالم برزخ" کہا گیا ہے۔ اس طرح موصوف نے تسلیم کرلیا کہ عذاب و راحت کا مقام (پردہ کے پیچھے) عالم برزخ ہے نہ کہ یہ ارضی گڑھا اور اس عالم برزخ کا اس لاشے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہمارے اور اس ارضی قبر یا اس لاشے کے درمیان تو کوئی پردہ ہے ہی نہیں، بالفاظ دیگر ارضی قبر اور لاشہ "پردہ" کے اس طرف ہے اور مرنے کے بعد کے حالات (عذاب و راحت) پردہ کے اس طرف یعنی برزخ میں ہیں اور پردہ کے اس طرف اور اس طرف کے حالات و معاملات کا باہم تعلق قیامت تک کے لیے منقطع ہے۔ اس طرح نہایت ہی آسان انداز سے یہ ثابت ہو گیا کہ موصوف نے درج بالا اقتباس میں لاشعوری طور پر عذاب و راحت کا مقام "عالم برزخ" تسلیم کرلیا ہے، اب یہ ان کو اختیار ہے کہ اس کو شعوری طور سے مانیں یا اپنی مانی ہوئی بات کو خود ہی رد کردیں!۔ یہ تو تھا موصوف کا پہلا اشکال اور اس کے جواب کا انداز۔ دوسرا اشکال ملاحظہ ہو:

"کسی شخص کو شیر نے کھالیا تو اس کی ارضی قبر کہاں بنی کہ اس میں عذاب ہو؟" (تفسیر ص ۶۶۴)

سوچنے کی بات ہے کہ اس گڑھے میں گلے سڑے لاشے کو زندہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے کے پاس اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے، چنانچہ لاجواب ہو کر سوال کو "لغو" قرار دے دیا۔ اس اشکال کا سیدھا سادھا جواب یہ تھا کہ اس شخص کو شیر کے کھانے سے اس کی موت واقع ہو گئی، روح کو عالم برزخ میں جسم دیا گیا اور موت کے بعد سب معاملہ (عذاب و راحت کا) "پردہ کے پیچھے" یعنی عالم برزخ میں وقوع پذیر ہوا ہے، شیر کے پیٹ میں نہیں!!۔ پردہ کے پیچھے عذاب و راحت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی شعوری طور سے اعتراف حق کے لیے ہمت و جراءت کا فقدان ہے، یہ اکابر پرستی کا ہی تو شاخسانہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اشکال کو لغو قرار دینے کے بعد تو اصولاً "اس پر مزید گفتگو نہ ہونا چاہیے تھی لیکن ضمیر نے شاید جھنجھوڑا ہے تو بعد کے صفحات میں متعدد بار اس کی وضاحت کی ناکام کوشش بھی فرماتے رہے ہیں۔

اب تیسرا اشکال ان کے لیے اور بھی زیادہ پریشانی کا سبب بن رہا ہے، غور فرمائیے!

"اگر قبر میں اسی جسم کے ساتھ زندہ کیا جائے گا تو زندگیاں تین ہو جائیں گی ایک دنیا کی، ایک قبر کی اور ایک آخرت کی۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف دو زندگیوں کا ذکر ہے" (تفسیر ایضاً)

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے دو موتوں اور دو زندگیوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں اور تیسری زندگی کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"...لہٰذا! تیسری زندگی بھی کوئی نہیں۔ حقیقی موت کے بعد جو زندگی شروع ہوتی ہے وہ آخرت ہی کی زندگی ہے" (تفسیر ص ۶۶۸)

یہاں آکر بری طرح پھنس گئے ہیں قبر میں پڑے ہوئے لاشہ کو قیامت تک کے لیے مردہ ماننے کو تیار نہیں!! ان کے اس موقف پر پیچھے تفصیلی بحث ہو چکی ہے دراصل انانیت اور ہٹ دھرمی کی دلدل میں پھنس کر اب ان کی وہی کیفیت ہے کہ ع

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

کیا انہوں نے روز قیامت "خلق جدید" کا انکار کر کے اپنے آپ کو ان لوگوں کی فہرست میں شامل تو نہیں کر لیا جن کے لیے فرمایا گیا تھا:

○ **"بل هم فی لبس من خلق جدید"** (ق ۱۵)

مگر (قیامت کے دن) ایک نئی تخلیق کی طرف سے یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی یہ اپنے اکابرین کے اندھے مقلدین قیامت کے دن دوبارہ خلق کیے جانے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

**۸۔ منکر روایات کے ذریعہ استدلال:** مسعود احمد صاحب نے روح لوٹانے کی دلیل میں کچھ روایات پیش کی ہیں جن میں روح لوٹانے کا ذکر ہے' ان میں سے ایک ابوداؤد کی روایت ہے جو دراصل خود ان کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ شاید موصوف نے اسے غور سے نہیں پڑھا ورنہ وہ اسے پیش نہ کرتے۔ اس روایت میں مومن کے جسم میں روح لوٹانے کا کوئی ذکر نہیں البتہ کافر کے جسم میں دو مرتبہ روح لوٹانے کا تذکرہ ہے' ایک مرتبہ سوال و جواب سے قبل اور دوسری مرتبہ اس وقت جبکہ فرشتہ کے لوہے کی سلاخ مارنے سے وہ مٹی ہو جاتا ہے' تو اس کی روح جسم میں پھر لوٹا دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس روایت سے قبر میں ایک مرتبہ روح نکالنے اور پھر دوسری مرتبہ روح ڈالنے کا اثبات ہوتا ہے یعنی مجموعی طور سے کم از کم "تین زندگیوں اور تین موتوں" کا اثبات ہو گیا۔ اب اس روایت کو بطور دلیل پیش کرنے کے بعد ان کا دو موتوں اور دو زندگیوں کو ماننے کا دعوی تو خود ان ہی کی دلیل سے باطل ثابت ہو گیا' **فاعتبروا یا اولی الابصار!۔**

ایسے ہی متن کی روایت مسند احمد کے حوالے سے بھی پیش کی گئی ہے جس کی سند تو وہی ہے لیکن متن میں اختلاف ہے۔ اس میں دو مرتبہ روح لوٹانے کا تذکرہ تو نہیں ہے لیکن روح کے مٹی سے پیدا ہونے کا اثبات کیا گیا ہے' ملاحظہ ہو۔

**...."فیقول الله عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منها خلقتهم وفیها اعیدهم ومنها اخرجهم تارۃ اخری....** (پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب کو علیین (کے دفتر) میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو یقیناً" میں نے ان کو اسی سے پیدا کیا ہے اور میں ان کو اسی (زمین) میں لوٹاؤں گا اور اسی (زمین) سے ان کو دوسری بار اٹھاؤں گا) (تفسیر ۶۵۸)

یہ روایت بتاتی ہے کہ فرشتے اپنے ساتھ روح کو ہی لے کر جاتے ہیں اور پھر اسی کو واپس کیا جاتا ہے اور اسی روح کے مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ بات نص قطعی کے صریحاً" خلاف ہے۔ جسم کا مٹی سے ہونا اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن روح تو "من امر ربی" ہے اس کے مٹی سے پیدا ہونے اور مرنے کے بعد مٹی میں مل جانے کی قرآن یا صحیح حدیث میں کوئی دلیل نہیں بلکہ قرآن تو بتاتا ہے:

**فیمسک التی قضی علیها الموت.....** (الزمر)

(اور جس کے لیے موت کا فیصلہ ہو گیا ہو اس کی روح کو اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے)

ملاحظہ فرمایا' قرآن حکیم تو فرماتا ہے کہ مرنے والے کی روح کو (قیامت تک کے لیے) روک لیا جاتا ہے لیکن یہ روایت ثابت کرتی ہے اسے مٹی میں ملا دیا جاتا ہے! غور فرمائیے! کیسی منکر اور خلاف قرآن روایات کو عقیدہ کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے مسلک پرستی کا حق اس

کے بغیر ادا ہو بھی نہیں سکتا۔ اس روایت کی سند پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ اس کے دو راویوں زاذان ابو عمرو الکندی اور منہال بن عمرو پر کتب اسماء الرجال میں شدید جرح موجود ہے (ملاحظہ فرمائیں حبل اللہ شمارہ ۱۳ اور ایمان خالص دوئم ص ۱۵)۔ ذہبی نے (سیر اعلام النبلاء جلد ۵ ص ۱۸۴) صراحت کے ساتھ اس روایت پر جرح کی ہے:

○ **قلت حدیثہ فی شان القبر بطولہ فیہ غرابۃ و نکارۃ یرویہ عن زاذان عن البراء**

(میں کہتا ہوں کہ اس کی قبر کے بارے میں جو طویل حدیث ہے وہ منکر اور غریب ہے جو کہ یہ زاذان اور وہ براء رضؓ سے روایت کرتا ہے)

کیا یہ روایت اس قابل ہے کہ اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے؟ سچ ہے، آخرت کی جواب دہی سے بے خوف انسان باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اس کی یہ بین مثال ہے۔ اس کے علاوہ اس تفسیر میں ابن ماجہ کی بھی دو روایات پیش کی گئی ہیں، سند دونوں کی ایک ہی ہے لیکن متن میں کافی فرق ہے۔ جسم میں روح لوٹانے کا ان دونوں میں تذکرہ نہیں ہے۔ اس سند کے دو راویوں ابو بکر ابن ابی شیبہ اور شبابہ پر محدثین نے اعتراضات کئے ہیں۔ جب راویوں کے حافظے کا یہ عالم ہو کہ وہ کبھی روایت کو کسی طرح بیان کرتے ہوں اور کبھی کسی طرح تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی روایتوں کو قرآن کی محکم آیات کے مقابلہ میں لانا کیسی جہالت اور ہٹ دھرمی ہے!۔ مزید ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنے کتابچے "عذاب قبر کہاں ہوتا ہے" میں اعادہ روح کی روایت کی دو اور اسناد بھی پیش کی ہیں ایک اہل حدیث عاصم بن عبد اللہ القریوتی کی کتاب "اثبات اعادہ روح" کے حوالے سے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسناد ابوداؤد اور مسند احمد کی سند سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ ایک سند اس طرح ہے: **اخبرنا محمد بن یعقوب بن یوسف حدثنا محمد بن اسحاق الصغار انبانا ابو النضر ہاشم بن القاسم حدثنا عیسی بن المسیب عن عدی بن ثابت عن البرا۔** ان پر جرح ملاحظہ ہو:

**عیسی بن المسیب الکوفی:** یحیی بن معین، نسائی اور دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم اور ابو زرعہ کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ابن حبان وغیرہ نے بھی ان پر کلام کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہ کوفہ کا قاضی تھا، ضعیف ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۲۲)۔

**عدی بن ثابت:** یہ نہ صرف غالی شیعہ تھے بلکہ شیعوں کے ذاکر اور ان کی مسجد کے امام بھی تھے۔ دوسری سند اس طرح ہے: **محمد بن سلمہ عن خصیف عن مجاہد عن البراءؓ** ان پر جرح ملاحظہ ہو:

**خصیف بن عبد الرحمان الجزری:** ان کے بارے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ بعض تو انھیں ثقہ اور "**لا باس بہ**" قرار دیتے ہیں لیکن اکثر محدثین ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بہرحال، ایسے راوی سے کوئی روایت بطور حجت پیش نہیں کی جاسکتی۔ ابو حاتم ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صالح ہیں، غلطیاں بھی کافی کرتے ہیں۔ ان کے خراب حافظے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ نسائی نے کہا کہ عتاب اور خصیف دونوں قوی نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ صالح کہا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ یحیٰ ابن سعید اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ جریر کہتے ہیں کہ یہ مرجئی تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ہم اس کی احادیث سے بچا کرتے تھے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ یہ حجت نہیں ہے۔ ابو احمد الحاکم کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ازدی کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ہمارے آئمہ کی ایک جماعت نے انھیں ترک کردیا ہے البتہ بعد والوں نے ان سے حجت لی ہے یہ اچھے آدمی تھے لیکن اپنی روایات میں غلطیاں بہت کرتے تھے۔ احمد بن حنبل نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث کے معاملے میں قوی اور حجت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۲۴ اور میزان الاعتدال جلد اول ص ۶۵۴) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح بے حیثیت اور منکر روایات کو باطل موقف کی تائید کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

۹۔ **آیات قرانی کا بے محل استعمال:** مسعود احمد صاحب نے منکر روایات کو استدلال کی بنیاد بنانے کے بعد آیات قرآنی سے کس

طرح اپنے مطلب کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اب اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ موصوف نے مذکورہ تفسیر کے صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۹ پر جو آیات پیش کی ہیں ان سے تو صرف دو باتوں ہی کا اثبات ہوتا ہے، یعنی مرنے کے فوراً بعد عذاب قبر واقع ہونا (سورۃ المومن۔ ۴۵، ۴۶ سورۃ الانعام۔ ۹۳) اور انسانی جسم کا مٹی سے بننا، مرنے کے بعد مٹی میں مل جانا اور پھر قیامت کے روز اسی مٹی سے (زندہ کرکے) اٹھایا جانا (سورطٰہٰ۔۵۵، اعراف۔ ۲۵) اور یہ معاملہ سب ہی کے ساتھ ہوتا ہے خواہ کوئی ارضی گڑھے میں دفن ہو کر گلے، سڑے، کیڑے مکوڑوں کی غذا بن کر مٹی میں ملے یا بحروبر کے جانوروں کی غذا بن کر یا آگ کی چتا میں بھسم ہو کر، انجام کار جسد خاکی کے اجزاء اسی زمین کی مٹی ہی میں مل جاتے ہیں۔ انسانوں اور جانوروں کے اجساد عنصری کا مستقر بہر حال زمین ہی ہے کوئی اور جگہ نہیں۔ پھر روز قیامت انسان اسی زمین سے اٹھائے جائیں گے، یہ ایک ایسی مسلمہ اور غیر متنازعہ حقیقت ہے جس سے شاید ہی کوئی انکار کرے، اس کو ثابت کرنے کے لیے صفحات کے صفحات بھر دینا کہاں کی دانشمندی ہے!۔ لیکن موصوف کا کارنامہ تو یہ ہے کہ اس مسئلے کو جگہ بہ جگہ دہرایا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کر دکھانے کی کوشش کی ہے کہ عذاب اسی ارضی قبر میں ہو رہا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قبر کے معنی "ارضی قبر" ہی ہے خواہ مردے کو جلا دیا جائے یا وہ جانور کی غذا بن جائے اور اس کی ارضی قبر کا کوئی وجود ہی نہ ہو (مثال کے طور پر غرق شدہ قوم نوحؑ)۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، قیامت کے دن انسان اسی زمین سے اٹھا کھڑے کئے جائیں گے قطع نظر اس کے کہ ان کے اجزائے جسمانی دور دور منتشر ہو چکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، فرمایا:

○ **قد علمنا ما تنقص الارض منهم و عندنا كتاب حفيظ** (قٓ ۴)

(جو کچھ زمین (ان کے جسم میں سے) کم کرتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ ہمارے پاس حفاظت کرنے والی کتاب ہے)

بخاری کی درج بالا روایت میں طریقہ کار کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ "عجب الذنب" پر انسان کو بنا دیا جائیگا۔ اس اصول کی پیش نظر:۔

○ **اذا بعثر ما في القبور** (قبر والوں کو زندہ کرکے باہر نکالا جائے گا) یا

○ **واذا القبور بعثرت** (جب قبروں کو اکھاڑ دیا جائے گا)

میں جن قبروں کا ذکر ہے وہ محض یہ چند قبریں نہیں جو آج قبرستان کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں بلکہ وہ تمام قبور مراد ہیں جو شروع سے بنتی اور مسمار ہوتی رہی ہیں۔ اور فی الحقیقت زمین کے چپہ چپہ پر قبر ہے، اور قیامت تک تو ایک ایک قبر کی زمین میں بلا مبالغہ ہزاروں لاکھوں ہی دفن ہو چکے ہوں گے، نہ صرف لاشوں کی شکل میں بلکہ کھائے اور جلائے ہوئے جسمانی اجزاء اور ذرات کی شکل میں۔ قرآن و حدیث سے یہ بالکل واضح ہے کہ قیامت کے دن تو بلاشبہ ہر شخص اپنی ارضی قبر سے اٹھے گا (وہ مقام جہاں عجب الذنب پر اٹھا کھڑا کیا جائے گا) لیکن اس قبر کو آج کی یہ ارضی قبر قرار دے کر سوال و جواب اور عذاب و راحت کا مقام تصور کرنا سراسر نادانی اور جہالت ہے، کیونکہ اس کے لیے تو اسی لاشے میں روح لوٹانا ناگزیر ہے جو صریحاً خلاف قرآن و حدیث ہے۔ اس کے مفصل دلائل اوپر دئے جا چکے ہیں اور واضح کر دیا گیا ہے کہ روح کو دنیاوی جسم میں قیامت سے پہلے نہیں لوٹایا جائے گا۔ مردوں کو قیامت کے دن زندہ کرکے ارضی قبر سے اٹھایا جانا تو قرآن و حدیث سے بالکل ثابت اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن سوال و جواب اور عذاب و راحت کا مقام یہ نگاہوں کے سامنے والی ارضی قبر نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے عالم برزخ ہے۔ یہ قرآن و حدیث کا اٹل فیصلہ ہے اور کسی حد تک موصوف بھی اس کو تسلیم کر چکے ہیں۔

۱۰۔ **مسعود احمد صاحب کے عقائد و نظریات پر ایک نظر:** اب جبکہ مسعود احمد صاحب کا ذکر چل رہا ہے تو مناسب اور بر محل ہوگا کہ ان کے کچھ اور عقائد و نظریات بھی ان کی اپنی کتابوں کے حوالے سے زیر بحث آجائیں تاکہ اتمام حجت ہو جائے:

ع خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں

ابتداء ان کے کتابچے "ذہن پرستی" سے کی جاتی ہے۔ موصوف بھی بریلوی' دیوبندی اور دیگر فرقہ پرستوں کی طرح سماع موتی کے قائل ہیں (اور کون نہیں جانتا کہ یہ عقیدہ قبر پرستی کی عمارت کا اہم ستون ہے) لہٰذا یہاں یہ عقیدے کی پر زور وکالت کرتے نظر آرہے ہیں۔ قبل اس کے کہ اس پر کچھ تبصرہ ہو' بطور تمہید یہ عرض کردینا مناسب ہوگا کہ ڈاکٹر عثمانیؒ سے ایک "غلطی" سرزد ہوگئی (اور فی الحقیقت بڑی ہی مبارک تھی یہ غلطی!) انہوں نے ان نام نہاد "مومنین و مسلمین" اور ان کی قد آور اکابر شخصیات کے چہروں سے نقاب ہٹادی' ان کے عقائد و نظریات کو ان کی اور ان کے معتقدین کی کتابوں کے حوالے سے قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کردکھایا۔ چنانچہ اپنے آپ کو توحید کا علمبردار سمجھنے والوں کے عقائد و نظریات کفر و شرک سے آلودہ پائے گئے۔ دراصل حق کا واضح ہوجانا اللہ کی رحمت تھا اور ان کو دعوت حق کی مومنانہ اعلیٰ ظرفی سے پذیرائی کرتے ہوئے اصلاح احوال کی طرف توجہ دینا چاہیے تھی' لیکن پیشہ وارانہ انانیت اور "ذہن پرستی" نے عقل سلیم پر غلبہ کیا اور یہ ضد و ہٹ دھرمی کے ساتھ بغض و عناد کی روش اپنا کر مخالفت پر کمربستہ ہوگئے اور ہاتھ دھوکر اس مومجاہد کے پیچھے پڑگئے۔ قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و نظریات پر جمے رہنے والوں کے پاس دلائل کی تو بنیاد ہی نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ **"زخرف القول غرورا"** یعنی خوشنما الفاظ کے ذریعے باطل کو حق ثابت کرنے میں سرگرم ہوجائیں' اس کے کچھ نمونے بطور مشتے از خروارے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر عثمانیؒ نے اپنے مختصر مگر جامع کتابچے "یہ مزار یہ میلے" میں کفر و شرک کے شجر خبیثہ کی جڑ پر زبردست تیشہ زنی کی ہے اور عقائد کی خرابیوں بالخصوص قبر پرستی کے مختلف پہلوؤں کی قرآن و حدیث کی روشنی میں نشاندہی کی ہے۔ تمام ہی فرقہ پرست قبرستان میں "السلام علیکم یا اھل القبور" کہنے کو سماع موتی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کتابچے کے ص ۱۹ پر وضاحت کی کہ یہاں سلام سے مردوں کو سنانا مقصود نہیں' کیونکہ مردے تو سننے اور جواب دینے کی صلاحیت سے محروم ہیں' بلکہ یہ تو محض دعا ہے۔ عموماً" ہر زبان میں خلوص کے ساتھ ادیبانہ انداز میں دعا کرتے ہوئے مخاطب کا صیغہ استعمال کرلیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سمجھانے کے لیے اس کی ایک مثال بھی پیش کی۔ موصوف نے اس معقول اور مدلل بات کا جس انداز سے مضحکہ اڑایا ہے وہ ان کی جہالت و کم ظرفی کا منہ بولتا ثبوت ہے' ملاحظہ ہو۔

> "جواب مذکور میں خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے' کتنا مضحکہ خیز جواب ہے! کیا سلام کرتے وقت یہی جذبہ ہوتا ہے جو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے؟ کیا یہاں نظریہ کی بے جا حمایت کام نہیں کررہی؟ اگر مردے کو زندہ مان لیا تو بس شرک ہوجائے گا یا یہ کہ مردے نے اگر کسی وقت بھی کچھ سن لیا تو توحید خاک میں مل جائے گی' حالانکہ یہ بالکل فرضی چیزیں ہیں جن پر ذہن تیار کیا گیا ہے۔" (ذہن پرستی ص ۶۷-۶۸)

ذرا غور فرمایئے! یہ صرف ایک ہی اقتباس موصوف کی ذہن پرستی کی کیسی بھرپور عکاسی کرتا ہے!۔ کیا ایک سنجیدہ اور معقول بات کو "مضحکہ خیز" کہنا عدم سنجیدگی اور چھچھورے پن کی انتہا نہیں ہے؟ کوئی معمولی علم و دانش والا بھی ایسی جاہلانہ بات نہ کرے گا۔ موصوف کے نزدیک سلام کرتے وقت "جذبہ دعا" نہیں ہوتا' تو کوئی ان سے پوچھے کہ پھر اور کون سا جذبہ ہوتا ہے؟ "السلام علیکم و رحمتہ اللہ" کے الفاظ کس جذبہ کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں؟ اب اگر یہ الفاظ کا مقصد و مفہوم سمجھے بغیر ہی ان کو ادا کریں گے تو مطلوبہ جذبہ کیسے پیدا ہوگا؟۔ یہ مانیں یا نہ مانیں سلام کے الفاظ تو دعائیہ ہی ہیں اور سلام کا مقصد مومن بھائیوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت' بہی خواہی اور اخلاص کے جذبات کو پروان چڑھانا ہے۔ ظاہر ہے یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ پورے شعور اور خلوص کے ساتھ ہی ان کو ادا کیا جائے' خواہ سلام زندوں کو کیا جائے یا مردوں کو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں خلوص نیت اور جذبہ اخلاص پر ہی اجر ملتا ہے۔ موصوف کے مذکورہ اقتباس کی عبارت کے ایک ایک لفظ سے بغض' کینہ اور کھسیانہ پن مترشح ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بغیر دلیل بات کرنے

والوں کا یہی لب و لہجہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں "مردے کو زندہ مان لیا تو بس شرک ہوجائے گا....!" علامہ صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ (موت کے ڈاکٹری فیصلہ کے بعد) مردے کو زندہ قرار دے کر آپ ہر ایک کی نظر میں ہوش و حواس سے عاری اور عقل و دانش سے محروم سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ اپنے جیتے مردے کو زندہ سمجھتے ہوئے تو کوئی بھی (بشمول آپ کے) گڑھے میں ڈال کر مٹی میں نہ دبائے گا! البتہ مردے کو اسی گڑھے میں زندہ ماننے سے مردہ پرستی' قبر پرستی کا دروازہ کھلتا ہے جو شرک کی بدترین شکل ہے۔ اسی لیے مردے کو زندہ سمجھنے کے موقف کی قرآن و حدیث میں سختی سے تردید کی گئی ہے۔ جس کی مفصل بحث اوپر ہوچکی ہے۔

"عذاب برزخ" میں ص ۱۹ پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک وصیت کا ذکر ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب وہ سکرات الموت کی حالت میں تھے تو انہوں نے وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد کچھ دیر قبر پر کھڑے رہنا تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کرلوں اور مجھے معلوم رہے کہ فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ اس روایت کی سند اور اس کے متن ،دونوں پر اعتراض کیا گیا ہے (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عذاب برزخ ص ۲۰)۔ ______ حالانکہ قبر میں مردے کا باہر کھڑے ہوئے لوگوں سے انسیت حاصل کرنا اور سوال و جواب کے لیے کسی قسم کی تقویت پانا نصوص قطعیہ کے صریحاً" خلاف اور عملاً" ناقابل فہم ہے۔ قرآن کا فرمان بھی اوپر ذکر کردیا گیا ہے کہ مرنے والوں میں تو جان کی رمق بھی باقی نہیں رہتی' دوسرے یہ کہ عالم برزخ سے تو دنیا والوں کا کوئی تعلق ہی باقی نہیں رہتا۔ لیکن موصوف کیونکہ قبر میں دفن ہونے کے بعد قبر میں ہی مردہ لاشے کے زندہ ہوجانے پر عقیدہ رکھتے ہیں' اس لیے اس کے ہر پہلو کا دفاع لازم خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الغرض حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات اگرچہ سیاق الموت میں کہی تھی لیکن بالکل صحیح بات کہی تھی" (ذہن پرستی ص ۹۸)

اس طرح موصوف نے خلاف قرآن موقف کی تائید کردی کہ مردہ سنتا بھی ہے اور باہر والوں سے مانوس بھی رہتا ہے! کہیں کہیں موصوف باطل موقف کی حمایت میں بریلویوں والے سطحی طرز استدلال پر اتر آتے ہیں' ملاحظہ ہو:

> ہماری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ زندہ کو اگر سمیع مانا جائے تو شرک نہیں
> ہوتا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔
> فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا (دھر۔۲) ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا۔
> لیکن اگر مردہ کو سمیع مان لیا جائے تو شرک ہوجائے گا حالانکہ زندہ ہو
> یا مردہ محض سمیع ماننے سے شرک لازم نہیں آتا۔ زندہ اور مردہ کی سماعت
> مقید و محدود ہے، اللہ تعالیٰ کی سماعت غیر مقید اور لامحدود ہے۔ دونوں
> میں بیّن فرق ہے۔ عکس (ذہن پرستی ص ۷۳)

اب کوئی ان کا مقلد ہمت کرکے ان کی توجہ اس طرف دلائے کہ حضرت بریلوی بھی آپ کی ہی طرح استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "زندہ مدد کرے تو شرک نہیں ہوتا' مردہ مدد کرے تو کیسے شرک ہوجائے گا؟ بس یہ ذہن میں رہے کہ اللہ کی طاقت لامحدود ہے اور زندہ و مردہ کی طاقت محدود!۔" موصوف شاید قرآن و حدیث اور مشاہدہ انسانی پر مبنی اس نص قطعی اور حقیقت نفس الامری سے نابلد تو نہ ہوں گے کہ سماعت و بصارت' حس و ادراک' عقل و دانش اور تفکر و تدبر وغیرہ کا تعلق تو حیات دنیاوی کے ساتھ ہے' موت کے بعد یہ تمام قوتیں سلب ہوجاتی ہیں' پھر بھی مردہ لاشے کے سمیع و بصیر (یا عقیل و فہیم) ہونے پر اصرار انتہا درجہ کی ہٹ دھرمی ہے۔ مردے کے اندر ان قوتوں کے تصور سے ہی تو قبر پرستی کے شرک کا دروازہ کھلتا ہے!۔ بریلوی یہ طرز استدلال اختیار کرے تو شرک ہوجاتا لیکن موصوف اپنے کو توحید کا علم بردار سمجھیں تو یہ ان کی خود فریبی ہے۔ اب یہ بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ موصوف جو خود مشرکانہ عقائد کے مدافعین میں سے ہیں' شرک فی

التشریح پر گفتگو کرتے ہوئے کس طرح حدود سے تجاوز فرما جاتے ہیں اور شرک کے شجر خبیثہ پر تیشہ زنی کرنے والے پر بھی شرک کا الزام عائد کرنے سے نہیں چوکتے' اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں' فرماتے ہیں:

**شرک فی التشریع** موصوف نے اپنی کتاب میں کسی۔ کے حق کا واسطہ دے کر دعا کرنے کو ناجائز بتایا ہے لیکن اس سلسلے میں نہ قرآن مجید کی آیت پیش کی نہ کوئی حدیثِ نبوی۔ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالےٰ کو ہے لیکن معلوم نہیں موصوف نے یہ اختیار کب سے خود استعمال کرنا شروع کر دیا یا دوسروں کو تفویض کر دیا۔ اللہ تعالےٰ کی حرام کردہ چیز وہ ہے جو قرآن مجید یا حدیث نبوی میں حرام ہے، کسی کے فتوے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو سکتی لیکن موصوف نے "بحق فلاں" کہہ کر دعا مانگنے کو حرام تو کہا لیکن دلیل میں انہوں نے شرح کرخی، ہدایہ، صیانۃ الانسان وغیرہ کے حوالے دئے ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول و ثانی ص۲۲ و ص۲۳) (یہ مزار یہ میلے ص۲۴) گویا انہوں نے اس چیز کو اقوال الرجال کے ذریعہ حرام کیا، تو کیا اقوال الرجال بھی اللہ کے دین میں قابل سند ہیں؟ کیا اللہ تعالےٰ کے علاوہ بھی کوئی شارع ہے؟ افسوس ہے کہ موصوف نے یہاں توحید کو ملحوظ نہیں رکھا اور شرک کی طرف مائل ہو گئے،

عکس (ذہن پرستی ص ۸۱' ۸۲)

موصوف کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بات کو جائز و ناجائز ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ تائید و تشریح کے طور پر اگر علماء کے اقوال بھی پیش کئے جائیں تو یہ شرک فی التشریع کے مترادف ہوگا کیونکہ دین کا انحصار کسی کی رائے یا ذاتی فتوے پر نہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ڈاکٹر عثمانیؒ کے کتابچے "یہ مزار یہ میلے" میں واسطے وسیلے کے شرک۔ کے رد میں قرآنی آیات' احادیث صحیحہ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی بنیاد پر جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سب سے صرف نظر کر کے مسعود احمد صاحب نے کس ڈھٹائی کے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ "نہ قرآن مجید کی آیات پیش کی نہ کوئی حدیث نبوی......."۔ بغض و کینہ پر مبنی علمی خیانت اور ذہن پرستی کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہوگی!

**موصوف کا دہرا معیار:** بہرحال' فی الحال اس پر مزید بحث کرنا مقصود نہیں' یہاں تو صرف ان کو یہ آئینہ دکھانا ہے کہ کچھ ایسی ہی صورت حال میں کیا موصوف اپنے اوپر بھی شرک کا فتوی لگانا پسند کریں گے!۔ آیئے' ذرا اس کا بھی جائزہ لیں۔ مسعود احمد صاحب کے نزدیک جہری قرأت کے دوران امام کو دو سکتے کرنے چاہیں تاکہ مقتدی بھی ان سکتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ (اس وقت ہم یہ بحث نہیں کرتے کہ یہ سکتے بدعت ہیں) اس کے لیے موصوف نے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں ملاحظہ ہو:۔

**محدثین اور سکتے** اہلِ حدیث یعنی اہلِ علم یعنی محدثین اسی چیز کے قائل ہیں کہ امام کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔

حضرت ابوسلمہ تابعی فرماتے ہیں:۔

للامام سکتتان فاغتنموا القراءۃ فیهما بفاتحۃ الکتاب (جزء القراءۃ) — امام کے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کو لوٹ لیا کرو۔

امام عطاء تابعی فرماتے ہیں :-

اذا کان الامام یجہر فلیبادر بقراءۃ ام القرآن اولیقرء بعد مایسکت فاذا قرء فلینصت کما قال اللہ عز وجل (جزء القراءۃ للامام البخاری ص۳۱ وسندہٗ صحیح)

جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو (اس کے قرأت شروع کرنے سے پہلے) جلدی سے سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو یا بعد میں جب وہ سکتہ کرے تو پڑھ لیا کرو لیکن جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہا کرو جیسا کہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے۔

مندرجہ بالا اماموں ہی پر موقوف نہیں تمام محدثین کا یہی عمل ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں :-

واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرأ الرجل اذا جہر الامام بالقراءۃ قالوا یتبع سکتات الامام (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاءَ فی ترک القراءۃ خلف الامام جزء اول ص۱۰۱)

محدثین نے اختیار کیا ہے کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو مقتدی کچھ نہ پڑھے۔ محدثین کہتے ہیں کہ امام کے سکتات کی متابعت کرے (یعنی امام کے سکتات میں پڑھے)۔

امام بخاری تحریر فرماتے ہیں :-

نقول یقرأ خلف الامام عند السکتات (جزء القراءۃ للبخاری ص۱۱)

ہم کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتات میں پڑھے۔

الغرض تمام اہلحدیث یعنی تمام اہلِ علم یا محدثین امام کے سکتات کو صحیح مانتے ہیں لیکن آجکل کے لوگ جو بے علم ہوتے ہوئے بھی اہلحدیث کہلاتے ہیں وہ کہتے ہیں امام کے سکتات کا ثبوت نہیں لہٰذا نہ امام دو سکتے کرے اور نہ مقتدی سکتوں میں پڑھے۔ اب بتایئے اہلِ علم کی بات مانی جائے یا بے علم لوگوں کی۔

عکس "امام کے دو سکتے" ص۱۱-۱۲-۱۳

ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح آئمہ کے اقوال کو اپنے مسلک کی مدافعت کے لیے بطور سند و حجت پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا اب موصوف خود اپنے جاری کردہ شرک فی التشریع کے فتوے کی زد سے بچ سکتے ہیں؟ کیونکہ درج بالا اقتباس میں جوش بیانی میں خود ہی کہہ گئے ہیں:

"تو کیا اقوال الرجال بھی اللہ کے دین میں قابل سند ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی شارع ہے؟ افسوس ہے کہ موصوف نے یہاں توحید کو ملحوظ نہیں رکھا اور شرک کی طرف مائل ہو گئے۔" (ذہن پرستی ص ۸۲)

کیا اپنے مسلک کی تائید میں اقوال الرجال پیش کرنے کے بعد موصوف شرک کی طرف نہیں مائل ہو گئے؟ کیا موصوف اس ماہرانہ طریقہ کار پر عمل پیرا تو نہیں جس میں اصولوں کا اطلاق صرف دوسروں پر تنقید کے لیے ہی ہوتا ہے اور خود ان سے بے نیاز رہتے ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو یہ آخرت کی جواب دہی سے بے خوفی کی علامت ہے' اللہ پناہ میں رکھے!۔ موصوف کے اپنے قیمتی مشورے کے مطابق

ہونا یہ چاہیئے تھا کہ موصوف ان کو قرآن مجید اور حدیث شریف کے دلائل دے کر خاموش ہو جانے اور انہیں یہ یقین دلانے کہ دین میں سند صرف اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے یا اس کے رسولؐ کی حدیث ہے، اسی پر ان کے ایمان کو استوار کرتے، توحید فی الدین اور توحید فی التشریع کی دعوت دے کر شرک فی الدین اور شرک فی التشریع کی تردید کرتے۔ توحید پھیلانے کا یہ طریقہ تو صحیح نہیں کہ کسی شرک کی تردید کر کے کسی دوسرے شرک پر انہیں قائم رکھا جائے بلکہ اس شرکیہ فعل کو دلیل میں پیش کر کے اس شرک کی جڑیں اور مضبوط کی جائیں۔ توحید یہ ہے کہ بس اللہ تعالےٰ کے فرمان سے (جو قرآن مجید اور حدیث نبوی میں مذکور ہو) حلال و حرام کا فیصلہ کیا جائے، نہ اپنے ذہن سے فیصلہ کیا جائے اور نہ دوسروں کی رائے سے، لیکن موصوف نے اپنی کتاب میں ذہن سے فیصلہ کیا ہے یا دوسروں کی رائے سے۔ کیا آئندہ آنے والی نسلیں موصوف کی عبارتیں پیش کر کے موصوف کی طرف شرک کو منسوب نہیں کریں گی؟

عکس (ذہن پرستی ص ۸۲-۸۳)

درج بالا اقتباسات یہ ثابت کر دینے کے لیے کافی ہیں کہ موصوف کس قدر قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں اور یہ ان کا انفرادی طرز عمل نہیں بلکہ جماعتی اور تنظیمی طریقہ کار معلوم ہوتا ہے۔ ان کی جماعت کے ایک ذمہ دار فرد' شہداد کوٹ کے ناظم عبدالحمید صاحب نے

کتنے ہی اکابر اسلاف اور فرقہ پرستوں کے فتاوے اور اقوال اپنے موقف کی تائید میں بطور دلیل پیش کئے ہیں۔ تو کیا موصوف کے معیار اور اصول کے مطابق یہ شرک فی التشریح کے مرتکب نہ ہوئے؟

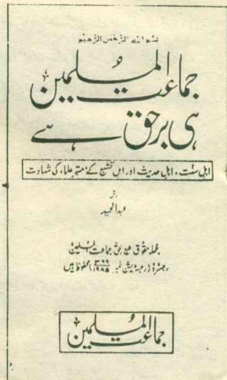
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین ہی برحق ہے

اہل سنت، اہل حدیث اور اہل تشیع کے معتبر علماء کی شہادت

از

عبدالحمید

جماعت المسلمین

## فہرست

مذہب اہل حدیث کی کتابوں سے جماعت المسلمین کے حق پر ہونے کا ثبوت

دیوبندی عقیدہ رکھنے والوں کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت

جماعت اسلامی کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت

بریلوی عقیدہ رکھنے والوں کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت

شیعہ مذہب کی کتابوں جماعت المسلمین کا ثبوت

اب کوئی ان سے پوچھے کہ اہلحدیثوں، دیوبندیوں، بریلویوں اور شیعوں کے اقوال ان کی جماعت کی نظر میں حجت ہیں جن کو دلیل کے طور پر پیش کیا جارہا ہے! کیا یہ اقوال الرجال پیش کر کے شرک فی التشریح کے مرتکب نہیں ہوئے؟ ان کے قول و فعل کے تضاد اور دوہرے معیار (اپنے لئے کچھ اور دوسروں پر تنقید کے لیے کچھ اور) کے بارے میں بھی موصوف کی تحریروں سے بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ درج بالا سطور میں مذکورہ تفسیر میں عذاب قبر پر کچھ احادیث لائے ہیں، ان میں سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کو بڑی ہوشیاری سے تلبیسانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی یَھُوْدِیَّۃٍ (وَفِیْ رِوَایَۃِ النَّسَائِیْ بِقَبْرٍ) تَبْکِیْ عَلَیْھَا اَھْلُھَا فَقَالَ اِنَّھُمْ یَبْکُوْنَ عَلَیْھَا وَاِنَّھَا لَتُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِھَا (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ جزء ۲ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ والنسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت (کی قبر) کے پاس سے گذرے۔ اس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اس پر اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

(عکس تفسیر صفحہ ۲۷۶)

ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح مقصد بر آری کے لیے بخاری اور نسائی کی روایات کو ملا کر ایک روایت بنا ڈالی ہے۔ اگر صرف بخاری کی روایت پیش کرتے تو نہ صرف یہ کہ ان کا استدلال کالعدم ہو جاتا بلکہ ان کا ارضی قبر میں سوال و جواب اور عذاب کا موقف ہی باطل ثابت ہو جاتا، کیونکہ اس میں قبر پر سے گذرنے کے الفاظ ہیں ہی نہیں ملاحظہ ہو:

۳۷۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا فَقَالَ: إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَ إِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا۔

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا کہا ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو ابن حزم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے انہوں نے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے سنا جو بی بی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی، انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت پر سے گزرے اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے (وہ مرگئی تھی) آپؐ نے فرمایا یہ تو (یہاں) رو رہے ہیں اور وہاں اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے ؎۔

صحیح بخاری کتاب الجنائز

چنانچہ بخاری اور نسائی کی روایت کو ملا کر ایک روایت بنایا اور ترجمے میں (قبر) شامل کیا گیا تاکہ پڑھنے والا یہی سمجھے کہ "نبی علیہ السلام قبر پر سے گذرے" بخاری کی روایت ہی کا حصہ ہے۔ جبکہ عربی متن میں (**فی روایۃ النسائی بقبر**) کے الفاظ کو شامل کیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ عربی متن کو تو کم ہی لوگ دیکھتے ہیں۔ البتہ عربی متن کو غور سے پڑھنے والا تو سمجھ ہی لے گا کہ بخاری کی روایت میں نسائی کی روایت کے الفاظ کی پیوند کاری کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ یہ روایت مسلم اور دیگر کتب میں بھی موجود ہے لیکن بخاری و مسلم میں "قبر پر سے گذرنے" کے الفاظ نہیں ہیں (اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ کسی شمارے میں پیش کی جائے گی)۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی جماعت کے وجود کا واحد سہارا بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ "جماعت المسلمین اور اس کے امام سے وابستہ رہو" اس کے بارے میں اہل حدیثوں نے جب ان کی توجہ دلائی کہ ابوداؤد اور مسند احمد کی روایات میں "امام" کے بجائے "خلیفہ" کا ذکر ہے لہٰذا اس حکم کا تعلق تو خلافت اسلامیہ سے ہے، یہ اس لئے نہیں کہ آپ کی طرح کوئی جماعت بنا کر خود ہی اس کا امام بن جائے!۔ موصوف نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

جواب | صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ

تو اب یہ بتائیے کہ آپ نے مسند امام احمد کے حوالہ سے جو الفاظ لکھے ہیں وہ صحیح ہیں یا وہ الفاظ صحیح ہیں جو متفق علیہ روایت میں ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے الفاظ فرمائے تھے ۔ حدیث تو ایک ہی ہے تو پھر الفاظ بھی ایک ہی ہونے چاہیئے تھے ۔ کیا جو حدیث ساتوں درجوں میں سے کسی درجہ میں بھی صحیح نہ ہو اس کے ذریعہ آپ محض اپنے مطلب کی خاطر صحیحین کی حدیث کو مضطرب المتن بنا رہے ہیں ۔

(عکس "الجماعۃ القدیمۃ ص ۱۰")

اپنے موقف کی حمایت و مدافعت کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:۔

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ "امام" ہے اور ابو داؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ اپنی زبان اقدس سے ادا فرمایا تھا۔ یقیناً" وہی لفظ ادا فرمایا ہو گا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں"

("الجماعتہ القدیمتہ" ص۱۹)

اب کوئی ان سے پوچھے کہ بخاری و مسلم کی روایت میں نسائی کی روایت کا پیوند لگا کر یا صحیحین کے مقابلے میں مسند احمد کی روایت لا کر آپ اپنے عقیدے اور اور موقف کا دفاع فرما رہے ہیں تو دوسری طرف اس طرح کی پیوند کاری کو نامناسب و ناجائز قرار دے رہے ہیں!۔ جس طرح وہاں آپ کی دلیل ہے کہ "حدیث تو ایک ہی ہے تو پھر الفاظ بھی ایک ہی ہونے چاہیے تھے اور الفاظ بھی وہی صحیح ہیں جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے ہیں۔" گویا جو اصول آپ ایک جگہ استعمال کرتے ہیں پھر دوسری جگہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں' اس کا کیا سبب ہے؟ کیا یہ ذہن پرستی اور مسلک پرستی نہیں؟۔ درج بالا اصول کے تحت تو آپ کو فراخی قلب کے ساتھ اس بات کو مان لینا چاہیے تھا کہ روایت کے وہی الفاظ صحیح ہیں جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہیں یعنی "نبی علیہ السلام یہودیہ کی میت پر سے گذرے" (نہ کہ قبر سے کیونکہ یہ نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں جو صحیحین کے مقابلے میں ناقابل ترجیح ہیں) اور پھر اسی لحاظ سے اپنے موقف کی اصلاح کر لینا چاہیے تھا کہ عذاب یہودیہ کے قبر میں دفن کرنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا للہذا اس کا اس دنیاوی قبر سے کوئی تعلق نہیں!! لیکن نفس پرستی اور مسلک پرستی سے آلودہ ذہن ایمان و عقیدہ کی اصلاح کی طرف بہ مشکل ہی مائل و راغب ہوتا ہے' وہ تو اکابرین کے اقوال و نظریات کے سانچے میں ڈھل کر تیار ہوتا ہے اور پھر حصول علم بھی دراصل انہی نظریات کے دفاع کے مقصد کے تحت ہوتا ہے۔

۱۲۔ **ایک مشرکانہ نظریئے کا دفاع:** آج تقریباً" تمام مسالک اس عقیدے کے حامل اور اس کا پرچار کرنے میں سرگرم ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیاوی قبر میں زندہ ہیں۔ بعض ظالم تو قبر نبوی کے اندر سے اپنے سلام کا جواب سننے کے دعویدار ہیں' تو کوئی علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قبر سے ہاتھ نکال کر فلاں صاحب سے مصافحہ بھی کیا تھا' کسی نے بیان کیا کہ نبی علیہ السلام نے وفات کے بعد کسی سود خوار کے مسخ شدہ چہرہ پر ہاتھ پھیر کر اس کو ٹھیک کر دیا' کسی بیمار خاتون کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر اس کو شفاء دے دی' کسی شیخ الحدیث نے اپنے والد صاحب کے مرض الموت میں ان کی عیادت بلکہ خدمت کے لیے نبی علیہ السلام کے تشریف لانے کا دعوی کیا (العیاذ باللہ!) الغرض ان کی کتابیں ایسی ہی گمراہ کن حکایات سے بھری ہوئی ہیں' عوام میں مقبول ہیں اور لوگوں کے عقیدہ کی بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کی وفات پر امت کا پہلا اجماع صحابہ کرامؓ میں اسی مسئلہ پر ہوا جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیات کی تلاوت کر کے اس بات کو واضح کر دیا کہ نبی علیہ السلام کی وفات ہو گئی' اور اللہ تعالیٰ آپؐ کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائے گا (کہ بعد وفات کے پھر زندہ کرے اور پھر موت دے)۔ اس کی تفصیل کے لیے ڈاکٹر عثمانیؒ کے کتابچے "وفات ختم الرسل" کا مطالعہ کیا جائے۔ بعد کے دور میں کوئی ایسا واقعہ احادیث میں نہیں ملتا کہ کسی صحابیؓ نے قبر نبویؐ پر جا کر کسی مسئلہ پر ہدایت و رہنمائی طلب کی ہو' یا کسی کو کبھی قبر نبویؐ سے سلام کا جواب دیا گیا ہو' حالانکہ بلاشک و شبہ نبی علیہ السلام کو بعد والوں کے مقابلے میں اپنے صحابہؓ سے محبت و تعلق خاطر کہیں زیادہ تھا۔ دراصل وہ تو قرآن پر ایمان رکھنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے' ان کے زمانے میں ایسے گمراہ کن مشرکانہ نظریات سے آلودہ جھوٹے قصے و کہانیوں کو پھیلانے کا موقعہ کیسے مل سکتا تھا' یہ تو اس وقت ہوا ہے جب کہ عقائد پر قبر پرستی کے صوفیانہ نظریات کی چھاپ لگی' پھر مردے زندہ ہوئے' قبر سے باہر نکلنے لگے' خوابوں میں آنے لگے اور یہ مشرکانہ عقائد سے آلودہ قصے جزو ایمان بن گئے!۔ مسعود احمد صاحب بھی اس شرک آمیز توحید کے عقیدہ کے حامل ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید اس طرح فرماتے ہیں' ملاحظہ ہو۔

ا خبرنی ابو الطیب محمد بن احمد الحیری ثنا محمد بن عبد الوهاب ثنا یعلی بن عبید ثنا محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولی ام حبیبة [کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء والمرسلین]

## عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حج

عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نازل ہوں گے تو فج روحا مقام سے حج کا یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے [1]

عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آئیں گے اور سلام کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیں گے [2]

علل الحدیث رازی
سلسلہ ضعیفہ البانی

[2] حاکم کتاب التاریخ، سندہ صحیح - ۲/۵۹۵ - (عکس تاریخ الاسلام والمسلمین (مطول) جلد اول ص ۲۳۷)

ایک طرف تو موصوف بار بار دعوی کرتے ہیں کہ وہ کسی ضعیف روایت کو بنیاد نہیں بناتے تو دوسری طرف یہاں انہوں نے مستدرک حاکم کی جس روایت پر اعتماد کیا ہے اس کا ایک راوی ابوالطیب محمد بن احمد الحیری ہے جو حاکم کا استاد ہے' ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسحاق بن شاہین سے اس نے روایت بیان کی ہے اور یہ کذاب ہے..... اور اس سے روایت کرنے والے ابو احمد بن عدی اور حاکم ہیں' اور کہا کہ میں نے محدثین کو دیکھا ہے کہ وہ اس کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ احادیث گھڑتا ہے اور میں نے ابو عروبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے جھوٹوں میں اس سے زیادہ بے حیا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔"...... (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۴۵۸- مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس سند میں دوسرا جھوٹا راوی محمد بن اسحاق ہے' جس کے دفاع کی کوشش مسعود صاحب نے اپنی تاریخ کے مقدمے میں کی ہے۔ محمد بن اسحاق مدلس بھی ہے اور یہ روایت اس نے "عن" کے لفظ سے بیان کی ہے (مدلس کی ایسی روایت ناقابل قبول ہوتی ہے)۔ اس کے بارے میں دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ حجت نہیں' نسائی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں' ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ قدری بھی ہے اور معتزلی بھی۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ یحیٰی ابن سعید انصاری اور مالک اس پر جرح کیا کرتے تھے۔ سلیمان تیمی اور یحیٰی بن سعید القطان' وھب بن خالد اور ھشام بن عروہ وغیرہ اسے کذاب اور جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ کچھ لوگ ان کی تعریف بھی کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس تاریخ و سیرت کا کافی علم تھا' اسی وجہ سے ذہبی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ "مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق اچھے حال اور اچھی حدیث کا حامل "صدوق" راوی ہے (یاد رہے کہ "صدوق" توثیق کا کمترین درجہ ہے)' ہاں جس روایت کو بیان کرنے میں یہ منفرد ہو وہ منکر ہوتی ہے کیونکہ اس کے حافظے میں کچھ خرابی ہے۔" (میزان الاعتدال۔ جلد ۳' ص ۴۶۸ یا ۴۷۵)۔

دوسری جگہ ذہبی سفیان بن حسین کے حالات میں لکھتے ہیں: "ابو حاتم کہتے ہیں صالح الحدیث ہے اس کی حدیث لکھ لی جائے لیکن دلیل نہ بنائی جائے جیسا کہ محمد بن اسحاق کا معاملہ ہے۔" (میزان جلد ۲ ص ۱۶۵)

پھر ایک اور جگہ کہتے ہیں: "جمہور محدثین کے نزدیک محمد بن اسحاق اور حجاج بن الطات کی روایت سے حجت نہیں لی جاتی۔ (میزان جلد ۴ ص ۲۹۶)۔ دوسری جگہ ذہبی نے ان کی اس طرح تضعیف کی ہے "محمد بن اسحاق اور حجاج بن الطات متروک تو نہیں لیکن ان کا ضعیف ہونا ظاہر ہے۔" (سیر اعلام النبلا۔ جلد ۶ ص ۱۹۱)

اب آخر میں یہ ذکر بھی کرتے چلیں کہ عکرمہ خارجیوں کی رائے رکھتے تھے جب مدینہ کے متولی نے انھیں بلایا تو وہ داؤد بن الحصین کے گھر چھپ گئے اور وہیں وفات پائی۔ ذہبی کہتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ اسی وجہ سے داؤد عکرمہ سے بہت سی ایسی منفرد روایتیں بیان کرتا ہے جن کو غریب قرار دیا جاتا ہے اور بہت سے حفاظ (محدثین) ان منفرد روایات کو منکر شمار کرتے ہیں' خاص طور پر جب وہ ان کو بیان کرنے والا بالکل اکیلا راوی ہو' جس طرح محمد بن اسحاق اور دوسرے اسی قسم کے راوی ہیں۔" (سیر اعلام النبلا۔ جلد۔ ۵ ص ۳۳)۔

اس تفصیلی بحث سے ان راویوں اور ان کی بیان کردہ حاکم کی اس روایت کی حیثیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جس کی بنیاد پر نبی علیہ السلام کی قبر سے سلام کا جواب دینے کا قصہ بیان کر کے موصوف نے اپنے آپ کو عقیدہ کے لحاظ سے بریلوی اور دیوبندیوں کے گروہ میں شامل کردیا ہے۔ اللہ تعالٰی انھیں قرآن و صحیح احادیث پر غور و فکر کی توفیق سے نوازے، اور قرآن و صحیح احادیث کی بنیاد پر ہی ایمان و عقیدہ کو استوار کرنے کی ہمت عطا فرمائے، آمین۔

۱۳۔ **پرویز ثانی کے روپ میں:** مسعود احمد صاحب نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ ڈاکٹر عثمانیؒ پر ترجمے میں خیانت کا الزام لگایا ہے۔ یہاں ڈاکٹر عثمانیؒ کا دفاع مقصود نہیں، ان کتابچوں کا بغور پڑھنے والا خود ہی ایسے الزامات کی بے بضاعتی اور بودے پن کا اندازہ کر سکتا ہے۔ البتہ یہاں صرف یہ نشاندہی کرنا ہے کہ خود مسعود احمد صاحب نے ترجمے کے سلسلہ میں جو کارنامہ انجام دیا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بعد وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں!۔ گذشتہ صفحات میں بھی ان ترجموں کے چند نادر نمونے پیش کئے جاچکے ہیں، اب فی الوقت طوالت سے بچنے کے لیے ان میں سے صرف دو مزید مثالیں بطور "مشتے از خروارے" پیش کرنے پر ہی اکتفا کریں گے (ورنہ تو ایک کتاب تیار ہوجائے گی خاص طور سے ان کا کتابچہ "عصمت رسول" تو خیانتوں کا شاہکار ہے)، جس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ قرآن و حدیث کی تاویل میں اب یہ غلام احمد پرویز ثانی کا ہی مقام حاصل کئے ہوئے ہیں!۔ اپنے پیش رو کی اتباع کرتے ہوئے اب ان کی کوشش بھی یہ ہے کہ لغت سے تلاش کر کے الفاظ کے ایسے معنی برآمد کئے جائیں جو قرآن و حدیث کا مفہوم اپنے عقیدے اور موقف کے مطابق پیش کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ چنانچہ "عصمت رسول" کے تحت منعقد کئے جانے والے اپنے ایک جلسے میں انہوں نے جو تقریر کی تھی وہ اب ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کی گئی ہے۔ اس میں سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات کا جو ترجمہ لغت سے ہیرا پھیری کرتے ہوئے برآمد کیا وہ بس اپنی مثال آپ ہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

اس تفصیل وضاحت کے بعد آیت کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

| | |
|---|---|
| إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِيَغْفِرَ<br>لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا<br>تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ<br>صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ<br>نَصْرًا عَزِيزًا ○ | (اے رسول) ہم نے آپ کو فتح مبین دی تاکہ اللہ<br>آپ پر لگائے گئے اگلے پچھلے تمام الزامات کی<br>اصلاح فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری<br>کردے اور آپ کو سیدھے راستہ پر چلاتا<br>رہے۔ (بے شک) اللہ آپ کی (ہر موقع پر)<br>زبردست مدد کرے گا۔ |

(عکس "عصمت رسول" ص ۷)

پڑھئے اور موصوف کی جولانی طبع کی داد دیجئے! کس طرح سیدھی سادھی عبادت کو توڑ مروڑ کے عجوبہ روزگار معنی و مفہوم پہنانے کی کوشش فرمائی ہے!۔ "ذنب" کے معنی "لغزش، کوتاہی، گناہ یا خطا کے ہیں، (دلچسپ بات یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے انہوں نے لغزش کے الفاظ اسی کتابچے میں استعمال کیے ہیں) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا احترام و تقدس ملحوظ رکھتے ہوئے "ذنب" کے ترجمے میں لغزش یا کوتاہی کا لفظ استعمال کرنے سے مفہوم بخوبی ادا ہوجاتا ہے، چنانچہ آیت کا ترجمہ اس طرح ہوتا ہے:

"بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں معاف فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے....."

اس کے برخلاف مسعود احمد صاحب نے "**لیغفرلک... وما تاخر**" کا جو عجیب و غریب اور بے تکا ترجمہ کیا ہے اس کا تو کوئی قرینہ ہی نہیں بنتا "تاکہ اللہ آپ پر لگائے گئے اگلے اور پچھلے الزامات کی اصلاح فرمائے"! اس کے صحیح ثابت کرنے کے لیے "ایک خاص تاریخی پس منظر" کا ذکر کرنا محض بے پر کی اڑانے والی بات ہے۔ اس سلسلے میں کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو ان کی معنوی تحریف اور علمی فریب

کاری کا پردہ چاک کرنے کیلئے کافی ہونگی:-

۱۹۴- حدثنا الحسن بن عبدالعزیز حدثنا عبداللہ یحیی حیوۃ عن ابی الاسود سمع عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم من اللیل حتی تتفطر قدماہ قالت عائشۃ لم تصنع ھذا یا رسول اللہ وقد غفر الل ہ لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر؟ قال افلا احب ان اکون عبدا شکورا؟ فلما کثر لحمہ صلی جالسا فاذا ردان یر کع قام فقرا ثمرکع. انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا

حسن بن عبدالعزیز، عبداللہ بن یحیٰ، حیوۃ ابو الاسود، عروہ، حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں پھٹ جاتے تھے۔ عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا مجھے پسند نہیں کہ میں شکر گزار بندہ بنوں، پھر جب آپکے جسم میں گوشت زیادہ ہو گیا، تو آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ اور جب رکوع کا ارادہ کرتے۔ تو کھڑے ہو کر کچھ قرات کرتے پھر رکوع کرتے (آیت بیشک ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (بخاری فی تفسیر سورۃ الفتح)

غور فرمایئے! یہاں ام المومنینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتی ہیں کہ "آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرما دی ہیں"۔ لیکن مسعود صاحب کے ترجمے کے لحاظ سے مفہوم شاید یہ ہو گا کہ "آپ پر لگے ہوئے اگلے پچھلے الزامات کی اصلاح تو ہو چکی...." یعنی بھلا اب آپ کو کون سے الزامات کا خطرہ ہے جو آپ اتنی عبادت کر رہے ہیں!!

(دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

۱۹- حدثنا محمد بن سلام قال انا عبدۃ عن ھشام عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امرھم من الاعمال بما یطیقون قالو انا لسنا کھیتک یا رسول اللہ ان اللہ قد عفرلک ما تقدم من ذنبک و ما تاخر فیغضب حتی یعرف الغضب فی وجہہ ثمہ یقول ان اتقاکم و اعلم باللہ

۱۹- ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ انہیں عبدہ نے خبردی، وہ ہشام سے نقل کرتے ہیں۔ ہشام عائشہؓ سے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی کام کا حکم دیتے تو وہ ایسا ہی کام ہوتا جس کے کرنے کی لوگوں میں طاقت ہوتی (اس پر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم لوگ تو آپ جیسے نہیں ہیں۔ (آپ تو معصوم ہیں) مگر ہم سے گناہ سرزد ہوتے ہیں، اس لیے ہمیں اپنے سے زیادہ عبادت کرنے کا حکم فرمایئے اور آپ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف فرما دیں۔ (یہ سن کر) آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ خفگی آپکے چہرہ مبارک سے ظاہر ہونے لگی۔ پھر فرمایا کہ بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اسے جانتا ہوں۔ (عکس صحیح بخاری۔ کتاب الایمان)

موصوف کے لحاظ سے "ذنب" کے معنی الزام لینے سے صحابہ کرامؓ کے استفسار کا انداز یہ ہو گا "اے نبیؐ ہماری آپ سے کیا نسبت، آپ پر لگے ہوئے سارے الزامات کی اصلاح ہو چکی لیکن ہمارے اوپر تو الزامات ابھی باقی ہیں......!!" چہ خوب! (العیاذ باللہ!)

اللہ تعالیٰ ایسی انفرادیت، خود بینی اور ذہن پرستی کے روگ سے محفوظ رکھے، امین! اسی طرح امام بخاری کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ کی آیت "و علم ادم الاسماء کلھا" کے باب میں واقعہ شفاعت لائے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ سفارش کیلئے انبیاء علیہم السلام کی خدمات میں سفارش کیلئے حاضر ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی کوئی تقصیر یاد کر کے عذر خواہی کے ساتھ ان کو بعد والے نبیؐ کے پاس بھیج دیتا

ہے۔ یہاں تک کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر وہ بھی یہ کہہ کر نبی صلی اللہ کے پاس بھیج دیتے ہیں:۔

**لست هنا کم ائتوا محمدا صلی اللہ علیہ و سلم عبد غفر اللہ له ما تقدم من ذنبه و ما تاخر**

میں اس لائق نہیں، تم سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ کہ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کردی ہیں۔

(بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ بقرۃ)

قرآن وحدیث کے ترجموں میں ان کی اس قسم کی کارگذاریوں سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ صرف چند مثالیں ہی پیش کی گئی ہیں۔ اب آخر میں موصوف کا ایک اور در نایاب پیش کیا جاتا ہے۔ اپنی کتاب "سجدوں میں رفع یدین ثابت نہیں" میں موصوف نے "قال" کا ایسا معنی اختراع کر دکھایا ہے کہ علم و لغت کا ذوق رکھنے والا بس اپنا سر ہی پیٹ لے! ملاحظہ فرمائیے اور سر دھنئے:۔

قائلینِ رفع نے "قَالَ" کے معنی کئے ہیں "کہا" اور ہم نے "قَالَ" کے معنی کئے ہیں "جھکا"۔

قائلینِ رفع نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم "قَالَ" کے معنی "جُھکا" لغت سے ثابت کریں۔ لیجئے ہم ثابت کرتے ہیں۔ المنجد میں ہے:۔

(قال یقول قولاً و قالاً و قِیلاً و قَوْلَةً و مَقَالاً و مَقَالَةً) تلفّظ، تکلّم، ۔۔۔ بکذا: حکم و اعتقد به ۔۔۔ بید ه: أهوی بها و أخذ ۔۔۔ برأسه: اشار ۔۔۔ برجله: مشی ۔۔۔ عنه: روی ۔۔۔ علیه: افتری ۔۔۔ الحائط: سقط له: خاطبه ۔۔۔ فیه و عنه: اجتهد ۔۔۔ بثوبه: رفعه ۔۔۔ به: احبّه، و اختصّه لنفسه ۔۔۔ القومُ بفلان: قتلوهُ۔ و یاتی بمعنی مات و غلب و مال و اقبل و استراح ...... (المنجد ص۶۵۰)

قارئین کرام خط کشیدہ لفظ "مال" پر غور فرمائیں۔ قالَ کے معنی ہیں "مالَ" اور مَالَ کے معنی ہیں "جُھکا"

عکس: سجدوں میں رفع یدین ثابت نہیں، ص ۸۔۷

دیکھا آپ نے، موصوف نے اپنے موقف کی مدافعت کے لیے کیسے بھونڈے انداز میں معنوی تحریف کی ہے۔ "قال" کے معنی "جھکا" بیان کیا ہے اور اس کیلئے ایک درجن الفاظ میں ان کو "مال" ملا ہے جس کے معنی ہیں "میلان ہوا۔" یہ ذہنی اور فکری جھکاؤ (کی کیفیت) کے لیے مستعمل ہے لیکن موصوف نے مطلب براری کیلئے "جسمانی جھکاؤ" مراد لے کر نہ صرف لغت بلکہ عقل و شعور اور ذوق سلیم کے ساتھ انتہائی بھونڈا مذاق فرمایا ہے، العیاذ باللہ!۔

دراصل، موصوف کا مرکب ذہن اس قسم کی موشگافیوں میں ہی دوڑ لگاتا رہتا ہے کیونکہ ان کو اصل کام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ دنیا کی شہرت اور بڑائی کا حصول جب مقصد حیات بن جائے تو آخرت کا احساس ماند پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف کا بس یہی محبوب مشغلہ ہے کہ رطب و یابس سے بھرپور اپنے مسلک و موقف کے دفاع میں کتابوں پر کتابیں چھاپنا، دولت کمانا (خواہ اس کے لیے صحابہؓ کرام) پر زبان طعن دراز کیوں نہ کرنا پڑے!) یا پھر (اللہ کی رضا کے حصول کے مقصد کی بجائے) عوام کی اکثریت کو دل اپنی طرف مائل کرنے کے لیے (توحید و شرک کی بجائے) ان کے پسندیدہ موضوعات "عصمت رسول" اور "عظمت رسول" پر جلسے کرنا اور ان میں کی گئی تقاریر پر مبنی کتابوں کو فروخت کر کے عوامی مقبولیت کے مقصد کو حاصل کرنا۔ اس روش پر چلتے ہوئے شاید انہیں دنیاوی مقصد تو حاصل ہو جائے لیکن آخرت میں کامیابی کا حصول تو ممکن نہیں۔ مالک اس زیاں کا احساس اجاگر فرما دے! اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے گروہ کو "امت وسط" کا لقب اس لیے عطا فرمایا ہے کہ وہ شہادت حق کی ذمہ داری پوری کریں۔ توحید کی کھل کر دعوت دیں اور شرک کے شجر خبیثہ کی جڑ پر تیشہ زنی کریں اور اس کی تمام شاخوں (ہر قسم کے باطل عقائد و نظریات) پر پوری طاقت سے چوٹ لگائیں۔ ان کی زبان و قلم اسی ربانی مشن کیلئے وقف ہوں، اس راہ میں آنے والی رکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر آنے والی آزمائشوں اور مصائب پر صبر کرتے ہوئے پیغام حق کی اشاعت کو زندگی کا نصب العین بنائیں اور دنیا کی بجائے آخرت ہی کی کامیابی کے آرزومند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا شعور اور ذوق سلیم عطا فرمائے، اللہ ہی ہمارا حامی و ناصر ہو، آمین۔